بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے　　　ٹھیک ہو نامِ رضا تم پہ کروڑوں درود

حج کیوں کریں؟

تصنیف

عطائے مفتی اعظم ہند، حضرت

مولانا محمد شاکر علی نوری

(امیر سنی دعوتِ اسلامی)

ناشر:

مکتبۂ طیبہ

۱۳۲ر کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی ۔۳

شرف انتساب

خلیفۂ دوم

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے نام

فہرست

احوال واقعی

حج کے عنوان پر متعدد کتابیں مارکیٹ میں دستیاب ہیں، مگر زیادہ تر کتابوں میں محض حج وعمرہ کے طریقوں، دعاؤں اور مختصر مسائل کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ حج کیا ہے؟ حج کیوں کیا جاتا ہے؟ حج کے فضائل وفوائد کیا ہیں؟ ارکان حج کی ادائیگی میں کیا حکمتیں ہیں؟ مخصوص مقامات پر مخصوص اعمال کے کرنے میں کیا اسرار و رموز ہیں؟ جن مقامات پر حج کے مناسک ادا کیے جاتے ہیں، ان کا پس منظر کیا ہے؟ ارکان حج کا تاریخ سے کیا تعلق ہے؟ یہ سب باتیں متعدد کتابوں میں بکھری ہوئی تھیں، جس کی وجہ سے حجاج کرام ان اہم باتوں سے تقریباً نا آشنا رہ جاتے تھے۔ ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ ان تمام باتوں کو یکجا کر دیا جائے تا کہ عازمین حرمین طیبین ان باتوں سے استفادہ کر کے

مناسک حج کی ادائیگی میں اور مضبوطی لائیں۔

پیش نظر کتاب ''حج کیوں کریں؟'' آپ کے ہاتھوں میں ہے، امید ہے کہ آپ اس سے بھر پور استفادہ کریں گے اور اپنی معلومات میں اضافہ فرمائیں گے۔

اس کتاب کی ترتیب، تلخیص اور تصحیح میں ادارہ معارف اسلامی کے اہم ارکان مولانا مظہر حسین علیمی، مولانا سید عمران قادری نجمی اور مولانا محمد عبداللہ اعظمی نجمی نے لمحہ لمحہ تعاون کیا۔ اللہ عزوجل ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس ناچیز کو اپنی علمی بے مائیگی کا احساس ہے، لہٰذا کتاب میں اگر کسی بھی قسم کی کوئی خامی نظر آئے تو ضرور اس کی اصلاح فرمائیں۔

عبدہ المذنب

محمد شاکر علی نوری

(امیر سنی دعوتِ اسلامی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِیۡمِ. اَمَّا بَعۡدُ

نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی طرح حج بھی مسلمانوں پر فرض کی گئی ایک عبادت ہے، مگر یہ ان پر فرض ہے جو سفرِ حج کی استطاعت رکھتے ہوں۔ چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا. (سورۂ آل عمران، آیت: ۹۷) اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے، جو اس تک چل سکے۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں حج کی فرضیت کا بیان ہے اور اس کا کہ استطاعت شرط ہے۔ حدیث شریف میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے اس کی تفسیر زاد و راحلہ سے فرمائی، زاد یعنی توشہ کھانے پینے کا انتظام اس قدر ہونا چاہیے کہ جا کر واپس آنے تک کے لیے کافی ہو اور یہ واپسی کے وقت تک اہل و عیال کے نفقہ کے علاوہ ہونا چاہیے۔ راہ کا امن بھی ضروری ہے، کیوں کہ بغیر اس کے استطاعت ثابت نہیں ہوتی۔

(خزائن العرفان، ص: ۹۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ، شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ، وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ، وَ الْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ. (بخاری شریف، حدیث: ۸)

(ترجمہ) اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ (۱) یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم رکھنا۔ (۳) زکوٰۃ دینا۔ (۴) حج

کرنا۔ (۵) ماہِ رمضان کے روزے رکھنا۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ جس طرح نماز پڑھنا، روزے رکھنا اور زکوٰۃ دینا مسلمانوں کے لیے اہم فرض ہے، اسی طرح حج بھی مسلمانوں پر فرض ہے اور جس طرح ان کے ترک کرنے پر گناہ مرتب ہوتے ہیں، اسی طرح حج کے چھوڑنے پر بھی گناہوں کا ترتب ہوتا ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی وضاحت ہے کہ ان پانچوں چیزوں میں اگر کوئی شخص کسی میں کمزور ہے، تو گویا اس کے ایمان کی بنیاد کمزور ہے۔

توجہ فرمائیں!

جن مقاماتِ مقدسہ پر حاضر ہو کر حج کے مناسک ادا کیے جاتے ہیں، ان کا تعلق مکۂ مکرمہ اور اس کے اطراف سے ہے، مکہ کا تعلق حجاز سے اور حجاز کا تعلق ملکِ عرب سے ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ قارئین پہلے ملکِ عرب، حجازِ مقدس، مکۂ معظّمہ وغیرہ مقامات کو اچھی طرح سے سمجھ لیں، تا کہ مناسکِ حج کی ادائیگی میں انہیں سہولت ہو۔

ملک عرب

ملک عرب، برِّ اعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ چوں کہ اس ملک کو تین طرف سے سمندر نے اور چوتھی طرف سے دریائے فرات نے جزیرہ کی طرح گھیر رکھا ہے، اس لیے اس ملک کو ''جزیرۃ العرب'' بھی کہتے ہیں۔

علمائے جغرافیہ نے اس ملک کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) حجاز (۲) یمن (۳) حضر موت (۴) مہرہ (۵) عُمان (۶) بحرین (۷) نجد (۸) اَحقاف۔ (سیرۃ المصطفیٰ، ص: ۳۴)

حجاز

یہ ملک عرب کے مغربی حصہ میں بحرِ احمر کے ساحل کے قریب واقع ہے۔ حجاز سے ملے ہوئے ساحلِ سمندر کو، جو پستی میں واقع ہے، ''تِہَامَہ'' یا ''غَور'' (پست زمین) کہتے ہیں اور حجاز سے مشرق کی جانب جو ملک کا حصہ ہے وہ ''نجد'' (بلند زمین) کہلاتا ہے۔ حجاز چوں کہ تہامہ

اورنجد کے درمیان حاجز (حائل) ہے، اسی لیے ملک کے اس حصہ کو حجاز کہنے لگے۔ حجاز کے یہ مقامات تاریخ اسلام میں زیادہ مشہور ہیں۔ مکۂ مکرمہ، مدینہ منورہ، بدر، اُحد، خیبر، فدک، حُنین، طائف، تبوک، غدیرِ خُم وغیرہ۔ (سیرۃ المصطفیٰ، ص:۳۵)

مکہ شریف

حجاز کا یہ مشہور شہر، مشرق میں "جبلِ ابو قُبیس" اور مغرب میں "جبلِ قُعَیقِعَان" دو بڑے بڑے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے اور اس کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور ریتیلے میدانوں کا سلسلہ دور دور تک چلا گیا ہے۔ اسی شہر میں حضور شہنشاہِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔

اس شہر اور اس کے اطراف میں یہ مقامات واقع ہیں۔ کعبۂ معظّمہ، صفا و مروہ، منیٰ، مُزدلفہ، عرفات، غارِ حرا، غارِ ثور، جبلِ تنعیم، جِعرَّانہ وغیرہ۔ مکہ مکرمہ میں ہر سال ذوالحجہ کے مہینے میں ساری دنیا کے

لوگ حج کے لیے آتے ہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ، ص:۳۵)

فضائل مکہ

مکۂ معظّمہ کی بہت سے فضیلتیں وارد ہوئیں، ان میں سے چند ہم یہاں ذکر کررہے ہیں، تاکہ قارئین کے دلوں میں اس شہرِ مبارک کی عظمت بیٹھ جائے۔

امن والا شہر

شہر مکہ اور مناسک حج کو حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہما السلام سے خاص نسبت ہے، اسی لیے جب بھی شہر مکہ یا مناسک حج کا تذکرہ ہوتا ہے تو ان دونوں نفوس قدسیہ کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔ شہر مکہ کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں جو دعا فرمائی تھی، قرآن کی زبانی سنئے:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا. (سورۂ ابراہیم، آیت:۳۵) اور یاد کرو جب ابراہیم نے عرض کی اے میرے رب

اِس شہر کو امان والا کردے۔ (کنزالایمان)

اس سے مراد یہ ہے کہ قربِ قیامت دنیا کے ویران ہونے کے وقت تک یہ ویرانی سے محفوظ رہے یا اس شہر والے امن میں ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا مستجاب ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ملّہ مکرّمہ کو ویران ہونے سے امن دی اور کوئی بھی اس کے ویران کرنے پر قادر نہ ہوسکا اور اس کو اللہ تعالیٰ نے حرم بنایا کہ اس میں نہ کسی انسان کا خون بہایا جائے، نہ کسی پر ظلم کیا جائے، نہ وہاں شکار مارا جائے، نہ سبزہ کاٹا جائے۔ (خزائن العرفان)

دوسری آیت میں اس دعا کو اس طرح بیان فرمایا: وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ. (سورۂ بقرہ، آیت:۱۲۶) اور جب عرض کی ابراہیم نے کہ اے رب میرے! اس شہر کو امان والا کردے اور اس کے رہنے والوں کو طرح طرح کے پھلوں سے روزی دے جو ان میں سے

اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں۔ (کنزالایمان)

جو لوگ مکۂ معظّمہ میں رہتے ہیں یا جاتے آتے ہیں، اچھی طرح جانتے ہیں کہ آج بھی مکۂ معظّمہ میں ہر قسم کے پھل ہر موسم میں ملتے ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے قبول ہونے کی واضح دلیل ہے۔

سب سے اچھی زمین

حضرت عبداللہ بن عدی سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک چھوٹے ٹیلے پر کھڑے (مکۂ معظّمہ کو مخاطب کرکے) فرمارہے ہیں:

وَاللّٰهِ اِنَّکِ لَخَیْرُ اَرْضِ اللّٰهِ وَ اَحَبُّ اَرْضِ اللّٰهِ اِلَی اللّٰهِ وَ لَوْلَا اَنِّی اُخْرِجْتُ مِنْکِ مَا خَرَجْتُ.

(ترجمہ) اللہ کی قسم! تو اللہ کی زمینوں میں سب سے بہتر ہے اور اللہ کے نزدیک اللہ کی زمینوں میں سب سے پسندیدہ ہے۔ اگر میں

تجھ سے نکالا نہ جاتا تو یہاں سے نہ نکلتا۔ (ترمذی شریف، حدیث:۴۳۰۴)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مکۂ معظّمہ میں رہنا بے حد عزیز تھا، مکۂ معظّمہ سب سے بہتر سرزمین ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ سرزمین ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں صاف الفاظ میں حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا، فرماتے ہیں:

مَا اَطْیَبَکِ مِنْ بَلَدٍ وَ اَحَبَّکِ اِلَیَّ وَلَوْلاَ اَنَّ قَوْمِی اَخْرَجُونِی مِنْکِ مَا سَکَنْتُ غَیْرَکِ.

(ترجمہ) (اے مکہ!) تو کیا ہی اچھا شہر ہے اور میرے نزدیک بہت پسندیدہ، اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے علاوہ اور کسی سرزمین پر نہ رہتا۔ (صحیح ابن حبان، حدیث:۲۳)

اب خود اندازہ لگائیں کہ جو شہر خود اللہ عزوجل اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پسندیدہ ہو، اس کی عظمت کا کیا

کہنا اور کتنا خوش نصیب ہوگا وہ شخص جسے اللہ عزوجل اس شہر کی زیارت اور اس میں زندگی کے لمحات گزارنے کا موقع عطا فرمائے۔

تعظیم کا حکم

حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت سے خیر و برکت زائل نہ ہوگی جب تک کہ یہ حرم مکہ کی تعظیم کرتی رہے گی، جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے اور جب اس کی تعظیم کو چھوڑ دے گی تو ہلاک ہوجائے گی۔ (مشکوۃ شریف، حدیث:۲۷۲۷)

اس حدیث شریف میں حرم مکہ کی تعظیم کا حکم دیا گیا، کیوں کہ حرم مکہ کی تعظیم کے سبب اللہ عزوجل خیر و برکت نازل فرماتا رہے گا۔ آج بہت سے کم علم، حرم مکہ کے مقام و مرتبہ کو نہ جاننے کی وجہ سے اس کا احترام جیسا کرنا چاہیے ویسا نہیں کرتے۔ چلّا چلّا کر دنیوی باتیں کرتے ہیں، یہ غلطیاں حرم مکہ میں طواف کے دوران بھی کرتے ہیں۔

مکہ میں ماہِ رمضان

رمضان المبارک خصوصی عبادتوں کا مہینہ ہے اور مکۂ مکرمہ خصوصی عبادتوں کی جگہ۔ جب خصوصی عبادتوں کا مہینہ اور خصوصی عبادتوں کی جگہ ایک ساتھ جمع ہوجائیں تو خصوصی اجر و ثواب بھی ملتے ہیں۔ یہ عظیم سعادت مکہ شریف میں ماہِ رمضان پانے میں ہے۔

جیسا کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مکہ شریف میں رمضان کا مہینہ پایا، دن میں روزے رکھے اور رات جہاں تک ممکن ہوا، نوافل میں گزارے، اللہ عزوجل اس کے نامۂ اعمال میں دوسری جگہوں پر ماہِ رمضان میں روزے اور نوافل کے مقابل ایک لاکھ گنا زیادہ ثواب لکھے گا، اس کے لیے دن بھر اور رات بھر نیکی کرنے کا ثواب لکھے گا، ہر دن ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب لکھے گا اور ہر رات ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب لکھے گا، ہر دن اللہ کی راہ میں جہاد اور ہر رات اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا ثواب لکھے گا اور اس کی ہر

دن کی دعائیں قبول فرمائے گا۔ (شعب الایمان للبیھقی، حدیث: ۳۵۷۴)

اس حدیث سے مکۂ معظّمہ کی عظمت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اگر اللہ عزوجل توفیق عطا فرمائے تو ضرور کوشش کریں کہ پورا ماہِ رمضان یا ماہِ رمضان کے جتنے دن بھی ممکن ہوں شہر مکہ میں گزاریں اور اللہ عزوجل کی رحمتیں خوب لوٹ کر واپس لوٹیں۔

مکہ کی آبادکاری کا پس منظر

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے مکۂ مکرمہ بالکل چٹیل میدان تھا، نہ وہاں کوئی جاندار رہتا تھا، نہ دانہ، پانی کا کچھ انتظام تھا، نہ وہاں پر کسی کا گھر تھا۔ دور دور تک ریتیلی زمینوں اور پہاڑیوں کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ جب اللہ عزوجل کو مکۂ مکرمہ کو آباد کرنا منظور ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ یہ کام عمل میں آیا۔ قرآن مقدس میں یہ واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے:

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ

عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ○

(سورۂ ابراہیم، آیت: ۳۷)

(ترجمہ) اے میرے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد ایک نالے میں بسائی جس میں کھیتی نہیں ہوتی تیرے حرمت والے گھر کے پاس، اے ہمارے رب اس لیے کہ وہ نماز قائم رکھیں تو تو لوگوں کے کچھ دل ان کی طرف مائل کردے اور انہیں کچھ پھل کھانے کو دے شاید وہ احسان مانیں۔ (کنزالایمان)

واقعہ دراصل یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سرزمینِ شام میں حضرت ہاجرہ کے بطنِ پاک سے پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی بیوی حضرت سارہ کے کوئی اولاد نہ تھی، اس وجہ سے انہیں رشک پیدا ہوا اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہاجرہ اور ان کے بیٹے کو میرے پاس سے جدا کردیجئے۔

حکمتِ الٰہی نے یہ ایک سبب پیدا کیا تھا، چنانچہ وحی آئی کہ آپ حضرت ہاجرہ و اسمٰعیل کو اس سرزمین میں لے جائیں (جہاں اب مکّہ مکرّمہ ہے) آپ ان دونوں کو اپنے ساتھ براق پر سوار کر کے شام سے سرزمینِ حرم میں لائے اور کعبۂ مقدسہ کے نزدیک اتارا، یہاں اس وقت نہ کوئی آبادی تھی، نہ کوئی چشمہ نہ پانی، ایک توشہ دان میں کھجوریں اور ایک برتن میں پانی انہیں دے کر آپ واپس ہوئے اور مڑ کر ان کی طرف نہ دیکھا، حضرت ہاجرہ والدۂ اسمٰعیل نے عرض کیا کہ آپ کہاں جاتے ہیں اور ہمیں اس وادی میں بے انیس و رفیق چھوڑے جاتے ہیں؟ لیکن آپ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور اس کی طرف التفات نہ فرمایا، حضرت ہاجرہ نے چند مرتبہ یہی عرض کیا اور جواب نہ پایا تو کہا کہ کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، اس وقت انہیں اطمینان ہوا، حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے گئے اور انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی جو آیت میں مذکور ہے۔ (خزائن العرفان)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا توشہ اور پانی جب ختم ہو گیا، آپ کو اور آپ کے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو شدید پیاس لگی، پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ پہاڑی کا چکر لگایا، پانی نہ ملا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی کی رگڑ سے ایک چشمہ جاری ہو گیا، اسی کا نام چاہِ زمزم ہے۔ ان تمام کا ذکر آگے تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

جب چشمہ جاری ہو گیا تو دو دور سے جنگل کے پرندے اس پر منڈلانے لگے۔ جُرہُم (یمن کا ایک قبیلہ) کے چند افراد ملکِ یمن سے ملکِ شام جا رہے تھے، جب یہاں پہنچے تو دور سے دیکھا کہ پرندے جمع ہو رہے ہیں، جیسے پانی کے چشمے پر پرندوں کی جمع ہونے کی عادت ہے۔ انہوں نے پانی کے متعلق یقین کر لیا اور آ کر دیکھا کہ وہاں حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ ماجدہ تشریف فرما ہیں اور پانی کا چشمہ ان کی نگرانی میں ہے۔ انہوں نے بی بی صاحبہ سے عرض کی کہ آپ ہمیں پانی میں شریک کر لیجیے، ہم آپ کو اپنے دودھ میں شریک کر لیں گے۔

بی بی صاحبہ نے ان کی شرط منظور کر لی اور قبیلۂ جُرہم کے لوگ یہیں ٹھہر گئے، یہاں تک کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہو گئے اور بی بی ہاجرہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہیں وصال ہو گیا، پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قبیلۂ جُرہم میں شادی کی۔ (روح البیان: ۱۳/۴۰۳)

چند مہینوں کے بعد حکم الٰہی کی وجہ سے آپ نے اس زوجہ کو طلاق دے کر قبیلۂ جُرہُم ہی کی دوسری عورت کے ساتھ نکاح فرمایا۔

کعبہ کی تعمیر اول

کعبہ شریف کی سب سے پہلی تعمیر فرشتوں نے کی، پھر جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے، اس وقت ان کا قد اتنا تھا کہ وہ زمین پر کھڑے ہوتے تو ان کا سر آسمان کی بلندیوں کو چھوتا اور ان کے بدن پر کپکپی طاری تھی۔ اللہ عزوجل نے انہیں ستر گز چھوٹا کر دیا۔ انہوں نے عرض کیا، اے اللہ! میں فرشتوں کی آوازیں کیوں نہیں سُن پا رہا ہوں؟ اللہ عزوجل نے فرمایا، اپنی لغزشِ پیغمبرانہ کی وجہ سے تم فرشتوں

کی آوازیں نہیں سُن پا رہے ہو، لیکن جاؤ، میرے گھر کی تعمیر کرو، اس کا طواف کرواور اس کے پاس میرا ذکر کرو، جیسا کہ تم نے فرشتوں کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام مکہ کی سرزمین پر تشریف لائے اور پانچ پہاڑوں (لبنان، طورِ زیتا، طورِ سینا، جودی اور حرا) کے پتھروں سے کعبۂ معظّمہ کی تعظیم فرمائی۔ انسانوں میں سب سے پہلے کعبہ کی تعمیر فرمانے والے، اس میں نماز پڑھنے والے اور اس کا طواف کرنے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ (تاریخ مکة المشرفة و المسجد الحرام: ۱/۴)

تعمیر کعبہ کا پس منظر

حضرت جعفر صادق بیان کرتے ہیں، میں اپنے والد (محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے ساتھ مکہ شریف میں تھا، میرے والد حجر اسود کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور میں وہیں پر بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں سفید بال اور سفید داڑھی، کشادہ شانوں اور چوڑی چھاتی والا ایک شخص

آیا اور ان کے بغل میں بیٹھ گیا، اس پر مُحرِم کی طرح دو موٹے کپڑے تھے۔ اس کو دیکھ کر میرے والد نے نماز میں تخفیف کی اور سلام پھیر کر اس کے پاس آئے۔

اس شخص نے کہا: اے ابو جعفر! مجھے بتایئے، اس گھر کی تعمیر کیسے عمل میں آئی؟ اس سے میرے والد نے کہا: تم کون ہو؟ (تم پر اللہ رحم فرمائے) اس شخص نے کہا، میں ملک شام سے آیا ہوں۔

میرے والد نے کہا، اس گھر کی تعمیر اس طرح عمل میں آئی کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً. (میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں) تو فرشتوں نے کہا: اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ. (ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں) تو اللہ عزوجل ان سے ناراض ہوگیا۔ فرشتوں نے اللہ عزوجل کو راضی کرنے کے لیے عرش

اعظم کے اردگرد سات چکر طواف کیا، جس کی وجہ سے اللہ عزوجل ان سے راضی ہوگیا۔

اللہ عزوجل نے فرشتوں سے فرمایا: زمین پر میرا ایک گھر بناؤ کہ جب میں آدم کی اولاد سے ناراض ہو جاؤں تو ان میں سے جو اس گھر کا اس طرح طواف کرے جیسا کہ تم نے کیا اور مجھ سے معافی مانگے، میں اس سے راضی ہو جاؤں گا۔ حکم پاتے ہی فرشتوں نے کعبۂ معظّمہ کی تعمیر کی۔ (الاصابة فی معرفة الصحابة: ۱/۳۰۷)

اس سے پتہ چلا کہ کعبہ شریف کی تعمیر اس لیے ہوئی کہ جب بندہ گناہ کر کے اپنے دامن کو داغدار کر لے تو گناہوں سے پاکی حاصل کرنے کے لیے اپنے معبود کے در پر حاضر ہو کر عاجزی کے ساتھ اس کے اردگرد پھیرے لگائے۔ یہ ادا اس کریم کو اس قدر عزیز ہے کہ وہ گناہوں کو معاف بھی فرماتا ہے اور رحم بھی فرماتا ہے۔

اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ طواف کا آغاز فرشتوں

نے کیا، پھر اس عمل کو اللہ عزوجل نے اپنے بندوں میں باقی رکھنے کے لیے حکم فرما دیا کہ قیامت تک اس کے گھر کا طواف کیا جاتا رہے تاکہ اس کی برکت سے مولا عزوجل اپنے گنہگار بندوں کو بخشتا رہے اور ان پر رحم فرماتا رہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: وَ لْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ. (سورۂ حج، آیت:۲۹) اور اس آزاد گھر کا طواف کریں۔ (کنزالایمان)

تعمیرِ دوم

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملکِ شام سے مکہ شریف تشریف لائے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا، بیٹے! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حکم دیا ہے، کیا تو میرے ساتھ تعاون کرسکتا ہے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کی ہاں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں یہاں پر ایک گھر (کعبۂ معظّمہ) تیار کروں۔ چنانچہ پھر اس کی تعمیر شروع کر دی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر سر پر لاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں

تعمیر میں لاتے۔ جب دیوار کچھ اونچی ہوئی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام یہی پتھر لائے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر تعمیر کرتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر وغیرہ دیتے تھے اور دونوں حضرات یہ دعا کرتے تھے: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (روح البیان: ۴۸۸/۱) جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا:

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُO (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۲۷)

(ترجمہ) اور جب اٹھاتا تھا ابراہیم اس گھر کی نیویں اور اسمٰعیل یہ کہتے ہوئے کہ اے رب ہمارے ہم سے قبول فرما بے شک تو ہی ہے سنتا جانتا۔ (کنزالایمان)

تعمیر دوم کب ہوئی؟

کعبہ معظّمہ کی تعمیر بیت المقدس سے چالیس سال پہلے ہوئی، جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا: اَیُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِی الْأَرْضِ اَوَّلُ؟ (زمین پر سب سے پہلا سجدہ گاہ کون سا تعمیر ہوا؟) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ۔ (مسجد حرام) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ثُمَّ أَیٌّ؟ (پھر کون سی مسجد بنائی گئی؟) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی. (مسجد اقصیٰ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں: کَمْ کَانَ بَیْنَهُمَا؟ (ان دونوں کے بیچ کتنے سالوں کا فاصلہ تھا؟) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اَرْبَعُوْنَ سَنَةً۔ (چالیس سال کا)

(بخاری شریف، حدیث: ۳۳۶۶)

تعمیر سوم

کعبۂ معظّمہ کی تیسری تعمیر قریش نے کی۔ قریش نے جب کعبہ کی تعمیر کا ارادہ کیا تو ایک سانپ اس کی تعمیر میں حائل ہوا، وہ کعبہ کی پرانی عمارت کو ڈھانے نہیں دیتا تھا۔ تمام قریش جمع ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر عرض کرنے لگے: یا اللہ! تو جانتا ہے کہ ہم تیرے گھر کو سنوارنا چاہتے ہیں، سوائے اس کی زیبائش کے ہمارا اور کوئی ارادہ نہیں۔ اگر تو اس سے راضی ہے تو ہمیں توفیق دے، ورنہ جیسے تو چاہے ہم راضی ہیں۔

چنانچہ ان کی دعا مستجاب ہوئی، آسمان سے ایک موٹے سے پرندے کے اترنے کی آواز انہوں نے سنی، دیکھا کہ وہ پرندہ چیل سے کچھ بڑا ہے، اس کی پیٹھ سیاہ اور پیٹ اور پاؤں سفید ہیں۔ اس نے سانپ کے سرے کو چنگل میں دبایا اور اوپر لے اڑا۔ قریش دیکھتے رہے کہ اس کی دم بہت چوڑی تھی۔ اس نے اس سانپ کو پہاڑوں میں جا پھینکا۔ اس پر قریش نے پرانی عمارت کو منہدم کر دیا اور نئے سرے سے

تعمیر شروع کر دی۔ (تفسیر حقی: ۳۰۴/۱)

حضور اکرم ﷺ کا فیصلہ

کعبہ کی تعمیر سوم میں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس شریک تھے اور پتھر اٹھا اٹھا کر لایا کرتے تھے۔ جب عمارت حجرِ اسود تک پہنچ گئی تو قبیلوں میں سخت جھگڑا ہوا، ہر قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ ہم ہی حجرِ اسود کو اٹھا کر دیوار میں نصب کریں، تاکہ ہمارے قبیلہ کے لیے یہ فخر اور اعزاز کا سبب بن جائے، اسی کش مکش میں چار دن گزر گئے، یہاں تک کہ نوبت تلوار نکلنے تک کو پہنچ گئی۔

پانچویں دن حرمِ کعبہ میں تمام قبیلے جمع ہوئے اور اس جھگڑے کے خاتمے کے لیے ایک بوڑھے شخص نے یہ تجویز پیش کی کہ کل جو شخص صبح سویرے سب سے پہلے حرمِ کعبہ میں داخل ہو، اس کو پنچ مان لیا جائے، وہ جو فیصلہ کر دے، سب اس کو تسلیم کر لیں۔ چنانچہ سب نے یہ بات مان لی۔

صبح کو حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پہلے حرمِ کعبہ میں داخل ہوئے، آپ کو دیکھتے ہی سب پکار اٹھے کہ واللہ یہ امین ہیں، لہٰذا ہم ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔

آپ نے اس جھگڑے کا اس طرح خاتمہ فرمایا کہ پہلے آپ نے یہ حکم دیا کہ جس جس قبیلہ کے لوگ حجرِ اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کے دعوے دار ہیں، ان کا ایک ایک سردار چن لیا جائے، پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادرِ مبارک کو بچھا کر حجرِ اسود کو اس کے اوپر رکھا اور سرداروں کو حکم دیا کہ سب لوگ اس چادر کو تھام کر مقدس پتھر کو اٹھائیں۔ چنانچہ سب سرداروں نے چادر کو اٹھایا اور جب حجرِ اسود اپنے مقام تک پہنچ گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے متبرک ہاتھوں سے اس مقدس پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس طرح ایک ایسی خون ریز لڑائی ٹل گئی جس کے نتیجہ میں نہ معلوم کتنا خون خرابہ ہوتا۔

(سیرۃ المصطفیٰ، ص:۷۷-۷۸)

تعمیر چہارم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حطیم کے بارے میں پوچھا کہ کیا یہ بھی کعبہ کے حکم میں داخل ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر انہوں نے عرض کیا: اس کا دروازہ اونچا کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ قریش کی کارگزاری ہے، اگر ان میں زمانۂ جاہلیت کے اثرات نہ پائے جاتے تو میں ان کے اس دروازہ کو توڑ کر زمین کے برابر کر کے اس کے دو دروازے مقرر کر دیتا، ایک مشرق کی طرف، دوسرا غرب کی طرف اور حجرِ اسود کی طرف سے چھ گز اور بڑھاتا۔ چوں کہ قریشیوں نے اسی طرح تعمیر کی تو میں بھی اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ (مسند ابی یعلیٰ، حدیث: ۴۵۰۷)

پھر جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ شام سے جنگ کی، ان کی زیادتیوں سے کعبہ کی تعمیر کچھ جل گئی تو آپ نے اسے گرا کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے مطابق

کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کیا۔ اس کے دو دروازے رکھے گئے، ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے اور دوسرے سے باہر نکلتے۔ (چوڑائی میں) حجرِ اسود کے قریب سے چھ گز کا اضافہ کیا۔ اس سے قبل کعبۂ معظّمہ کی لمبائی اٹھارہ گز تھی، حجرِ اسود کی طرف سے تعمیر میں اضافہ کی وجہ سے اب لمبائی میں کچھ کمی آ گئی اور نو گز کم ہو گئے۔ (روح البیان:۱/۵۰۱)

تعمیرِ پنجم

جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما شہید ہو گئے تو حجاج بن یوسف نے ان کی تعمیر کردہ عمارت کو گرانے کا حکم دیا۔ جتنا اضافہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کیا تھا وہ ختم کر کے قریش کی تعمیر کی طرح کعبہ کی عمارت تیار کرائی اور مغربی دروازے کو بند کرا دیا۔

(روح البیان:۱/۵۰۱)

فضائل کعبہ

کعبہ شریف اللہ عزوجل کا گھر ہے، اس کی عظمت اور شان بہت بلند ہے، یہ اکثر انبیا علیہم السلام کا قبلہ رہا ہے، مذہب اسلام کا مرکز رہا ہے، انبیائے کرام، اولیائے عظام، بڑے بڑے علما، صلحا نے اس گھر کا قصد کیا، اس کا طواف کیا اور کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اس گھر کے فضائل میں وارد چند آیتیں اور روایتیں ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں، تا کہ قارئین کے دلوں میں اس گھر کی عظمت بیٹھ جائے۔

پہلی عبادت گاہ

دنیا میں اللہ عزوجل کی عبادت کے لیے جو سب سے پہلی عبادت گاہ بنائی گئی، وہ کعبۂ مقدسہ ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا: اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِی بِبَکَّۃَ. (سورۂ آلِ عمران، آیت:۹۶) (ترجمہ) بے شک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لیے مقرر ہوا، وہ جو مکہ میں ہے۔ (کنز الایمان)

اس آیت کی تفسیر میں صاحب خزائن العرفان تحریر فرماتے ہیں: یہود نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ بیت المَقْدِس ہمارا قبلہ ہے، کعبہ سے افضل اور اس سے پہلا ہے، انبیا (علیہم السلام) کا مقامِ ہجرت و قبلۂ عبادت ہے۔ مسلمانوں نے کہا کہ کعبہ افضل ہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس میں بتایا گیا کہ سب سے پہلا مکان جس کو اللہ تعالیٰ نے طاعت وعبادت کے لیے مقرر کیا، نماز کا قبلہ، حج اور طواف کا موضع بنایا، جس میں نیکیوں کے ثواب زیادہ ہوتے ہیں، وہ کعبۂ معظّمہ ہے، جو شہرِ مکہ معظّمہ میں واقع ہے۔ (خزائن العرفان)

ایک لاکھ نماز کے برابر

مسلمان چاہے دنیا کے کسی بھی کونے میں آباد ہو، خانۂ کعبہ ہی کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتا ہے، ورنہ از روئے شروع اس کی نماز ہوگی ہی نہیں۔ لیکن کتنی خوش نصیبی کی بات ہوتی ہے اس وقت جب مسجد حرام کے اندر خود خانۂ کعبہ کو دیکھتے ہوئے نماز پڑھی جائے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَضْلُ الصَّلٰوةِ فِیْ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ عَلٰی غَیْرِهٖ مِائَةُ اَلْفِ صَلٰوةٍ وَ فِیْ مَسْجِدِیْ اَلْفُ صَلٰوةٍ وَ فِیْ مَسْجِدِ بَیْتِ الْمَقْدِسِ بِخَمْسِ مِائَةِ صَلٰوةٍ. (شعب الایمان للبیہقی، حدیث:۳۹۸۳)

(ترجمہ) مسجد حرام میں پڑھی جانے والی نماز دوسری مسجدوں میں پڑھی جانے والی نمازوں سے ایک لاکھ نمازوں کے برابر ثواب رکھتی ہے اور میری مسجد میں پڑھی جانے والی نماز ایک ہزار نمازوں کے برابر اور بیت المقدس میں پڑھی جانے والی نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ثواب رکھتی ہے۔

رحمتوں کا نزول

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اس گھر پر ہر دن اور ہر رات اللہ تعالیٰ کی

ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ساٹھ طواف کرنے والوں پر، چالیس نماز پڑھنے والوں پر اور بیس خانۂ کعبہ کو دیکھنے والوں پر۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: ۱۱۴۷۵)

مسجد حرام میں نفلی عبادتوں سے بہتر طواف کرنا ہے، اسی لیے تو اس حدیث میں فرمایا گیا کہ طواف کرنے والے پر ایک سو بیس میں سے ساٹھ رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ طواف کرنے کی کوشش کریں، پھر نفل پڑھنے کی اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم بیٹھے بیٹھے یا کھڑے کھڑے کعبۂ معظّمہ کی زیارت کرتے رہیں کہ یہ عمل بھی عبادت میں لکھا جائے گا اور اس عمل کے کرنے والوں پر بھی اللہ عزوجل اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا۔

اللہ کے ذمۂ کرم پر

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ گھر (خانۂ کعبہ) اسلام کا ستون ہے۔ جو اس گھر کی طرف حج یا عمرہ یا زیارت کی نیت سے نکلا، وہ اللہ کے ذمۂ کرم پر ہوگا۔ اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اللہ عزوجل اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور اگر واپس لوٹے گا تو اسے اجر و ثواب اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹائے گا۔

(مسند الحارث، حدیث:۳۵۲)

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ خانۂ کعبہ کی طرف قصد کرنے والے کا یہ عمل کسی بھی صورت میں بے سود نہ ہوگا، اگر اس کا نصیبہ جاگا اور اس راہ میں اس دارِ فانی سے رُخصتی کا پیغام آ گیا تو جنت کی مہمانی میسر آئے گی اور اگر حج، عمرہ یا زیارت کرکے واپس لوٹا تو اجر و ثواب کے ساتھ لوٹے گا۔

بے حساب جنت میں

قیامت کے دن حساب و کتاب کے بارے میں جو روایتیں منقول ہیں، انہیں پڑھ کر روح کانپ جاتی ہے۔ ایسے میں اگر کسی کو یہ

کہہ دیا جائے کہ وہ قیامت کے دن حساب و کتاب سے محفوظ ہے تو اسے کتنی خوشی میسر ہوگی، اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے اس شخص کو جو مکۂ معظّمہ کی طرف حج، عمرہ یا زیارت کی نیت سے نکلا اور راستے میں فوت ہو گیا۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **مَنْ مَّاتَ فِیْ طَرِیْقِ مَکَّۃَ لَمْ یَعْرِضْہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ لَمْ یُحَاسِبْہُ.** (شعب الایمان للبیھقی، حدیث: ۳۹۴۳)

(ترجمہ) جو شخص مکہ کے راستے میں انتقال کر جائے، قیامت کے دن نہ اس کی پیشی ہوگی اور نہ ہی اس سے حساب لیا جائے گا۔

کوئی بھی دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آیا، ہر کسی کو ایک نہ ایک دن دنیا سے جانا ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے برگزیدہ بندے یہ تمنا کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں ان کی وفات ہوتا کہ اس کے فضائل و برکات سے مالا مال ہو جائیں۔

حج کیا ہے ؟

حج کا لغوی معنی ''قصد'' اور ''ارادہ'' ہے۔

مسلمان خانۂ کعبہ کی زیارت کے ارادہ سے مکہ شریف جاتا ہے، اس لیے اس عبادت کو ''حج'' کہتے ہیں۔

شریعت کی اصطلاح میں حج احرام باندھ کر، مخصوص طریقے پر، خاص وقتوں میں، خانۂ کعبہ کا طواف اور میدان عرفات میں وقوف کرنے کو حج کہتے ہیں۔

حج کا حکم

حج کی فرضیت کے بارے میں اللہ عزوجل نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا:

وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا. (سورۂ آل عمران، آیت: ۹۷) اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے، جو اس تک چل سکے۔ (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ سے حج کی فرضیت کا حکم ظاہر ہوتا ہے اور اس بات کی بھی صراحت موجود ہے کہ اس کے فرض ہونے کو جو نہ مانے وہ کافر ہے اور جو شخص قدرت کے باوجود حج نہ کرے، وہ گنہگار رہوگا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

مَنْ کَانَ یَجِدُ وَ ھُوَ مُوْسِرٌ صَحِیْحٌ لَّمْ یَحُجَّ کَانَ سِیْمَاہُ بَیْنَ عَیْنَیْہِ کَافِرٌ.

(ترجمہ) جو شخص وُسعت کے باوجود حج نہیں کرے گا، اس کی علامت (قیامت کے دن) یہ ہوگی کہ اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ (اس کی پیشانی پر) کافر لکھا ہوگا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۴/۶۸)

حج صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے، فرض حج ادا کرنے کے بعد اگر کوئی شخص چاہے تو نفل حج کئی بار بھی کر سکتا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الــــدر الـمنثور''، میں یہ روایت نقل کی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک شخص

نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا: **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَ فِیْ کُلِّ عَامٍ؟**

(ترجمہ) اے اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟

اس پر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ، وَ لَوْ وَجَبَتْ مَا قُمْتُمْ بِھَا، وَلَوْ تَرَکْتُمُوْھَا لَکَفَرْتُمْ. فَذَرُوْنِیْ، فَاِنَّمَا ھَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِکَثْرَۃِ سُوَالِھِمْ اَنْبِیَائَھُمْ وَ اخْتِلَافِھِمْ عَلَیْھِمْ، فَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ فَاْتَمِرُوْہُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَ اِذَا نَھَیْتُکُمْ عَنْ اَمْرٍ فَاجْتَنِبُوْہُ.

(ترجمہ) اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر میں یہ کہہ دوں کہ ہاں تو ضرور (ہر سال) فرض ہو جائے اور اگر ہر سال حج فرض ہو جائے تو تم اسے ہرگز ادا نہ کر سکو گے

اور اگر تم اسے ادا نہ کرسکو گے تو ضرور ناشکرے ہو جاؤ گے۔ تو اس بارے میں کچھ نہ پوچھو، کیوں کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے، وہ اپنے نبی سے زیادہ سوال کرنے اور اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ تو جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو تم سے جہاں تک ہو سکے، اس پر قائم رہو اور جب تمہیں کسی کام سے منع کروں تو اس سے پرہیز کرو۔ (ج ۲، ص ۳۹۰)

اس حدیث سے جہاں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ حج زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے، وہیں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے اس قدر اختیارات عطا فرمائے کہ آپ جس چیز کو فرض فرما دیں وہ فرض ہے اور جسے حرام فرما دیں وہ حرام۔

حج صرف اللہ کے لیے

کسی بھی عمل میں نیت کا بہر حال دخل ہوتا ہے، آدمی اپنی نیت میں جس قدر پختہ ہے، اسی کے اعتبار سے اس کے عمل پر اس کو ثواب و

جزا ملتی ہے۔ حج کرتے وقت نیت صرف رضائے الٰہی ہونی چاہیے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا:

وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا.

(سورۂ آل عمران، آیت: ۹۷) اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے، جو اس تک چل سکے۔ (کنزالایمان)

اگر کوئی شخص صاحب استطاعت ہے اور حج کی ادائیگی کے لیے نکلتا ہے تو اسے اس آیت کریمہ کے پہلے لفظ ''وَلِلّٰہِ'' کو یاد رکھنا ضروری ہے، یعنی حج صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خوشنودی کے لیے ہی کیا جائے نہ شہرت کی تمنا، نہ لقب کی آرزو، بس ایک ہی مقصد پیش نظر ہو کہ حج کے ذریعہ اللہ عزوجل کی رضا حاصل ہو جائے۔

حج کا اعلان

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مل کر کعبۂ معظّمہ کی تعمیر مکمل فرما لی تو اللہ عزوجل نے حضرت

ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا:

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ○ (سورۂ حج، آیت: ۲۷)

(ترجمہ) اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے، وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔ (کنزالایمان)

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ابوقبیس پہاڑ پر چڑھ کر جہان کے لوگوں کو ندا کر دی کہ بیت اللہ کا حج کرو، جن کے مقدور میں حج ہے، انہوں نے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے پیٹوں سے جواب دیا: لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ۔ (خزائن العرفان)

حج کا فلسفہ

آیئے حج کرنے سے پہلے حج کا فلسفہ بھی سمجھتے چلیں۔ اللہ عزوجل نے قرآن مقدس کی درج ذیل دو آیتوں میں حج کے فلسفہ کو

واضح طور پر بیان فرما دیا ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ (سورۂ انعام، آیت: ۷۹)

(ترجمہ) میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان و زمین بنائے ایک اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں نہیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (سورۂ انعام، آیت: ۱۶۲)

(ترجمہ) تم فرماؤ، بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو رب سارے جہان کا۔

ان دونوں آیتوں میں جو حج کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے، وہ اس طور پر ہے کہ:

☆ دونوں آیتوں کے یہ الفاظ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صدیوں پہلے کہے تھے، حج کے دوران حاجیوں کی زبانوں پر یہ الفاظ جاری رہتے ہیں اور ارکانِ حج کی ادائیگی میں اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

☆ حج کے لیے نکلنے والا ساری دنیا سے بے توجہی اختیار کر کے صرف خالقِ کائنات جل وعلا کے دربار کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

یادگارِ خلیل

حج کے ہر ہر رکن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے۔ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے انجام پائی، کعبہ کا طواف کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ندا کی، قیامت تک انہیں مسلمانوں کو حج کی سعادت ملتی رہے گی جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ندا پر عالم ارواح میں لبیک کہا تھا، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا کی یادگار ہے، جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیرِ کعبہ کی، اس کو یہ اعزاز ملا کہ قیامت تک اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار بنا کر کعبہ سے قریب نصب کر دیا گیا اور قیامت تک کے مسلمانوں کو اس کے قریب نماز پڑھنے کا حکم ہوا، اللہ عزوجل کے حکم پر جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی گردن کٹانے کو تیار تھے، اسی کی یاد میں دسویں سے بارہویں ذی الحجہ کے درمیان قربانی کا حکم ہوا، شیطان کے بہکانے پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی طرف کنکریاں پھینکی، اسی کی یاد میں حاجیوں کو جمرات پر کنکریاں مارنے کا حکم ہوا۔ یہ ساری باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ حج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کی اہلیہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یادیں لمحہ لمحہ تازہ ہوتی ہیں اور حج کے ارکان کی ادائیگی دراصل ان بزرگ ہستیوں کی یادگاریں ہیں۔

فضائل حج احادیث کی روشنی میں

حج کے فضائل میں متعدد حدیثیں وارد ہیں، ان میں چند حدیثیں ہم نقل کر رہے ہیں تاکہ قارئین کے دلوں میں حج کی عظمت بیٹھ جائے اور انہیں اندازہ ہو جائے کہ اس عمل پر اللہ عزوجل کس قدر ثواب اور جزا عطا فرماتا ہے۔

گناھوں کی معافی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ. (ترجمہ) جس نے حج کیا اور رَفَث (فحش باتیں) اور فسق نہ کیا تو گناہوں سے ایسے پاک ہو کر لوٹا جیسے اس دن پاک تھا جس دن اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ (بخاری شریف، حدیث:۱۵۲۱)

ہر گناہ میں اللہ عزوجل کی نافرمانی ہے اور جو شخص اللہ عزوجل

کی نافرمانی کرتا ہے، اس سے اللہ عزوجل ناراض ہو جاتا ہے، اس حدیث میں یہ بات عیاں ہے کہ جب وہ بندہ عاجزی کے ساتھ مولا عزوجل کے گھر کی زیارت کے لیے حاضر ہو جاتا ہے اور مناسکِ حج ادا کر لیتا ہے تو مولا اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، لیکن خبردار! اس دربار میں پہنچ کر فحش باتوں اور گناہوں سے اپنے دامن کو خاص طور پر بچائے رکھیں، تاکہ اللہ عزوجل آپ پر اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائے۔

افضل جهاد

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کیا: نَرَى الْجِهَادَ اَفْضَلَ الْاَعْمَالِ اَفَلَا نُجَاهِدُ۔ (جہاد سب سے اچھا عمل ہے، تو ہم کیوں نہ جہاد کریں؟) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اَفْضَلُ الْجِهَادِ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ۔ (مقبول حج سب سے افضل جہاد ہے) (بخاری شریف، حدیث:۱۵۲۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **جِهَادُ الْكَبِيْرِ وَ الضَّعِيْفِ وَ الْمَرْأَةِ الْحَجُّ وَ الْعُمْرَةُ.** (بوڑھوں، کمزوروں اور عورتوں کا جہاد حج اور عمرہ ہے) (مسند امام احمد، حدیث: ۹۴۵۹)

ان دونوں روایتوں سے اندازہ کریں کہ حج کتنے فضائل رکھتا ہے۔ ایک اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، اپنے گھر سے، اہل وعیال سے، رشتہ داروں سے دور اللہ کی راہ میں نکل جاتا ہے۔ اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کتنی مدت کے لیے جارہا ہے، واپس لوٹ کر کب آئے گا، آئے گا بھی یا راہِ خدا میں شہادت کے عظیم مرتبہ پر فائز ہوجائے گا، اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر وہ اپنے گھر سے نکل جاتا ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں فرمایا گیا کہ حج بھی ایک جہاد ہے لیکن اس میں جہاد سے زیادہ ثواب ہے۔ خصوصاً ضعیفوں اور عورتوں کے لیے، کیوں کہ وہ جہاد کرنہیں سکتے، لہٰذا حج کرکے جہاد کی طرح ثواب حاصل کرسکتے ہیں۔

محتاجی دور ہوتی ہے

کچھ لوگ صاحبِ استطاعت ہونے کے باوجود یہ سوچتے ہیں کہ حج کریں گے تو اس میں ایک خطیر رقم خرچ ہوگی اور پھر ہمیں محتاجی کا منہ دیکھنا ہوگا، جب کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق حج کرنے سے محتاجی دور ہوتی ہے۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حج و عمرہ محتاجی اور گناہوں کو ایسے دور کرتے ہیں جیسے بھٹی میں ڈالنے کے بعد لوہے، چاندی اور سونے کا میل دور ہوجاتا ہے اور حج مبرور کا ثواب جنت ہی ہے۔ (ترمذی شریف، حدیث: ۸۱۵)

اس حدیث میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ حج و عمرہ کرنے سے گناہ کا میل دور ہوجاتا ہے، دوسری یہ کہ حج و عمرہ کرنے سے محتاجی دور ہوجاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب بندہ اپنے مولا کے دربار

میں حاضری دیتا ہے تو اس کے دل میں توکل کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے اللہ عزوجل اسے بے نیاز کردیتا ہے اور مخلوق کی محتاجی سے بچا کر غنی کردیتا ہے۔

ہر قدم پر نیکی

یہ اللہ عزوجل کا کتنا کرم ہے کہ نیکی کے ارادہ پر بھی اپنے بندوں کو نیکی عطا فرماتا ہے، نیک کام کے لیے چلنے پر بھی۔ اسی طرح حج کرنے والے کو بھی اللہ عزوجل ایک ایک قدم کے بدلے نیکیاں عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو خانۂ کعبہ کے ارادہ سے آیا اور اونٹ پر سوار ہوا تو اونٹ جو قدم اٹھاتا اور رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے لیے نیکی لکھتا ہے اور اس کے گناہوں کو مٹاتا ہے اور اس کے درجات کو بلند کرتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ کعبہ شریف کے پاس پہنچ کر طواف کرتا ہے، صفا اور مروہ

کے درمیان سعی کرتا ہے اور بال منڈاتا یا کترواتا ہے تو گناہوں سے ایسے پاک ہوجاتا ہے جیسے اسی دن پیدا ہوا ہو۔

(شعب الایمان للبیہقی، حدیث: ۴۱۱۵)

ہم اپنے ملک سے مکۂ معظّمہ تک کی مسافت دیکھیں، کتنے قدم کی مسافت ہے، ہم شمار نہیں کرسکتے۔ اب اندازہ لگالیں کہ حج کے ارادے سے نکلنے پر اللہ عزوجل ہمیں کتنی نیکیاں عطا فرمائے گا، کتنے گناہ مٹائے گا اور ہمارے کتنے درجے بلند فرمائے گا۔ یہ تو صرف ہمارے اٹھنے والے قدم کے بدلے میں ملنے والی نیکیاں ہیں، حج کی نیکیاں تو الگ ہیں، وہ اس طرح ملیں گی کہ ہمیں گناہوں سے اس طرح پاک کردیا جائے گا جیسے نومولود بچہ گناہوں سے بالکل صاف ستھرا ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی دیکھیں کہ کس دربار کی مہمانی کے لیے جارہے ہیں، وہ اپنی شان کے مطابق کیا عطا کردے گا ہم تصور میں بھی نہیں لاسکتے۔

پیدل حج کا ثواب

یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ ہر شخص اپنی کوشش اور محنت ہی کے اعتبار سے درجے پاتا ہے۔ اس زمانے میں اگر چہ کار، بس وغیرہ کی سہولتیں ہیں، مگر حج کے مناسک پیدل ادا کرنے میں جو ثواب ہے وہ گاڑی وغیرہ پر سوار ہو کر ادا کرنے میں کہاں؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ مِنْ مَّكَّةَ مَاشِيًا حَتّٰى يَرْجِعَ اِلٰى مَكَّةَ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ خُطْوَةٍ سَبْعَ مِائَةِ حَسَنَةٍ كُلُّ حَسَنَةٍ مِّثْلُ حَسَنَاتِ الْحَرَمِ. (جو مکہ سے پیدل حج (وقوف وغیرہ) کے لیے جائے، اس کے لیے مکہ واپس آنے تک ہر ہر قدم پر حرم کی نیکیوں کے مثل سات سو نیکیاں لکھی جائیں گی) کسی نے عرض کیا: حرم کی نیکیوں کی کیا مقدار ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **بِكُلِّ حَسَنَةٍ مِّائَةُ اَلْفِ**

حَسَنَةٍ. (ہر نیکی کے بدلے ایک لاکھ نیکی) (سنن البیہقی، حدیث:۲۰۶۰۱)

پیدل حج کرنے سے مراد یہ ہے کہ حج کے ایام شروع ہونے کے بعد مکہ شریف سے منیٰ، عرفہ، مزدلفہ وغیرہ جہاں بھی جانا ہو، پیدل جائے، سواری سے نہ جائے اور اسی طرح پیدل مکہ شریف واپس آجائے۔ مکہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہوتا ہے اور پیدل حج کرنے والے کو ہر ہر قدم پر مکہ کی نیکیوں کے مثل سات سات سو نیکیاں ملیں گی، تو گویا اگر کسی نے پیدل حج کیا تو اس کو ہر ہر قدم پر سات سات کروڑ نیکیاں ملیں گی۔ یاد رہے کہ یہ نیکیاں صرف پیدل چلنے پر ہیں، حج کی جو نیکیاں ہیں، وہ تو الگ ہیں۔

حاجی کی دعا

اللہ کے کچھ مخصوص بندے ہیں، جن کی دعائیں اللہ عزوجل قبول فرماتا ہے، ان میں سے ایک حج کرنے والا بھی ہے۔ حاجی اگر کسی کے لیے مغفرت کی دعا مانگے تو اللہ عزوجل اس کے گناہوں کو بھی

معاف فرمادیتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **يُغْفَرُ لِلْحَاجِّ وَ لِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُ الْحَاجُّ.**

(ترجمہ) حاجی کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور اس کے بھی گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں جس کے لیے حاجی دعائے مغفرت کرے۔ (مجمع الزوائد، حدیث:۵۲۸۷)

اسی لیے فرمایا گیا کہ جب کوئی شخص حج کر کے واپس لوٹے تو گھر پہنچنے سے پہلے پہلے اس سے دعائیں کرا لینی چاہیے، کیوں کہ وہ اللہ رب العزت کے دربار کی مہمانی کر کے آتا ہے، اس لیے اللہ عزوجل اس کی دعائیں قبول فرماتا ہے اور کیوں نہ اس کی دعائیں قبول ہوں کہ اللہ کے پیارے محبوب صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود حاجی کے حق میں دعا فرمائی: **اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْحَاجِّ وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُ**

الْحَاجُّ. (اے اللہ! حج کرنے والے کی مغفرت فرما اور جس کے حق میں حاجی مغفرت کی دعا کرے، اس کی بھی مغفرت فرما)

(السنن الکبریٰ للبیہقی، حدیث: ۱۰۱۶۱)

عافیت اور مغفرت

ہر مسلمان کی دو دلی تمنائیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا میں خیر و عافیت کے ساتھ زندگی بسر ہو جائے اور دوسری یہ کہ دنیا سے جانے کے بعد مغفرت ہو جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔ حج کرنے والے کو ان دونوں نعمتوں سے اللہ عزوجل مالا مال فرما دیتا ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عرض کی: **اِلٰهِيْ! مَا لِعِبَادِكَ عَلَيْكَ اِذَا هُمْ زَارُوْكَ فِيْ بَيْتِكَ.** (اے اللہ! جب تیرے بندے تیرے گھر کی زیارت کے لیے آتے ہیں تو انہیں کیا عطا فرماتا ہے؟

اللہ عزوجل نے ارشادفرمایا:اِنَّ لِکُلِّ زَآئِرٍ عَلَی الْمَزُوْرِ حَقًّا، یَا دَاوُوْدُ اِنَّ لَھُمْ عَلَیَّ اَنْ اُعَافِیَھُمْ فِی الدُّنْیَا وَ اَغْفِرَ لَھُمْ اِذَا لَقِیْتُھُمْ. (اے داؤد! ہرزائر کا اس پرحق ہوتا ہے جس کی زیارت کے لیے وہ جائے، ان کا مجھ پر یہ حق ہے کہ دنیا میں انہیں عافیت دوں گا اور جب وہ مجھ سے ملیں گے تو ان کی مغفرت فرمادوں گا۔

(طبرانی اوسط، حدیث:۶۲۱۶)

دیکھئے! اس حدیث میں اللہ عزوجل نے صاف اعلان فرمادیا کہ مسلمانوں کی جو دلی تمنائیں ہیں، یعنی دنیا میں خیریت وعافیت کے ساتھ زندگی بسر کرلینا اور آخرت میں مغفرت اور بخشش کا پروانہ مل جانا، اللہ عزوجل نے حاجی کے لیے یہ دونوں باتیں اپنے ذمۂ کرم پر لے لیا ہے اور جس طرح کوئی شخص کسی کے یہاں مہمان بن کر جاتا ہے تو وہ شخص اس کی مہمان نوازی کرتا ہے، اللہ عزوجل بھی اپنے دربار میں حاضر ہونے والوں کی اس طرح مہمان نوازی فرماتا ہے کہ دنیا میں انہیں

خیریت وعافیت کے ساتھ رکھتا ہے اور آخرت میں ان کی مغفرت فرما دیتا ہے۔

حج نہ کرنے کی سزا

جو حدیثیں ذکر ہوئیں، ان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حج میں متعدد فضائل پنہاں ہیں، مثلاً حاجی کے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں، اس کے ہر ہر قدم پر سیکڑوں نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اللہ عزوجل اس کو غنی کر دیتا ہے، اس کی دعائیں بارگاہِ رب العزت میں قبول ہوتی ہیں، اللہ عزوجل اس کے لیے عافیت اور مغفرت کی ضمانت لیتا ہے۔ لیکن یہاں تصویر کا دوسرا رُخ بھی ہے، یعنی جو شخص استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا، وہ اولاً تو ان فضائل سے محروم ہوجاتا ہے، ثانیاً یہ کہ اللہ عزوجل اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناراضی ہاتھ آتی ہے۔ جیسا کہ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

مَنْ مَّلَکَ زَادًا وَّ رَاحِلَةً تُبَلِّغُهٗ اِلٰی بَیْتِ اللّٰهِ وَ لَمْ

یَحُجَّ فَلاَ عَلَیْهِ اَنْ یَّمُوْتَ یَهُوْدِیًّا اَوْ نَصْرَانِیًّا. (ترمذی شریف:۸۱۲)

(ترجمہ) جو شخص حج کے اخراجات پر قادر ہونے کے باوجود حج نہ کرے تو کوئی پرواہ نہیں، وہ یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر۔

خاتمہ بالخیر ہونے پر سارے اعمال کا دار و مدار ہوتا ہے اور حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی امت کی بہت پرواہ ہے، لیکن جو شخص استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا، اس کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ چاہے وہ یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر، اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا کتنا بڑا جرم اور کتنا بڑا گناہ ہے۔

جب یہ عبادت اتنی ساری فضیلتوں کی حامل ہے اور اس کے چھوڑنے میں اتنا بڑا گناہ ہے تو جو لوگ صاحب استطاعت ہیں انہیں کسی بھی صورت میں حج کے معاملہ میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے اور جتنی جلدی ہوسکے اس عظیم عبادت کو ادا کرنے کے لیے رختِ سفر باندھ لینا

چاہیے۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، آج ہیں، کل نہ رہیں، اس لیے اولِ فرصت میں اخلاص کے ساتھ بارگاہِ رب العزت میں حاضری کی تیاری کرلینی چاہیے۔

حج کے اسرار و رموز

حج کی فرضیت میں متعدد اسرار و رموز ہیں، مثلاً

☆ جن جگہوں پر اللہ عزوجل کی خاص رحمتیں نازل ہوئیں، ان کی زیارت کرنا۔

☆ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہونا۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی دعوت پر لبیک کہنا۔

☆ اس بے مثال قربانی کی روح کو زندہ کرنا جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے دو عظیم رسولوں نے رکھی تھی۔

☆ حج ہی کا ایک ایسا موقع ہے جب مختلف ملکوں کے، مختلف رنگ و نسل کے، مختلف زبانوں والے اللہ کے بندے ایک ہی لباس

میں، ایک ہی حالت میں، ایک ہی جذبہ لیے ہوئے ایک خشک میدان میں اکٹھا ہوکر اپنی کوتاہیوں، غلطیوں اور بدکاریوں پر ندامت کے آنسوں بہاتے ہیں اور اللہ عزوجل کے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

☆ حج کرنے والے مسلمانوں کے دلوں میں اس وقت وہی جذبات موجزن ہوتے ہیں، جو چار ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں تھے۔

☆ دنیا کی نظر میں یہ بات بہت مشکل ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں میں بسنے والے انسان ایک زبان بولیں، ایک طرح کا کپڑا پہنیں، کیوں کہ سب کی زبانیں الگ ہیں، تہذیبیں الگ ہیں۔ مگر مکۂ مکرمہ میں حج کے دوران دنیا کے مختلف حصوں سے جمع ہونے والے مسلمان ایک ہی قسم کے لباس میں ہوتے ہیں، ایک ہی جذبہ اپنے دلوں میں لیے ہوتے ہیں اور ایک ہی انداز سے اپنے مولا

عزوجل کو یاد کرتے ہیں۔

☆ مختلف ممالک کے علما کا ایک جگہ ایک ساتھ جمع ہونا بہت مشکل کام ہے، مگر حج کے موقع پر مختلف ممالک کے علما اور دانشور مکۂ معظّمہ میں جمع ہوتے تھے اور اپنے فکروں اور نظریوں کا تبادلہ کرتے تھے۔ یہ بھی پورے عالم میں علومِ اسلامی کے پھیلنے کا اہم ذریعہ بنا۔

☆ حج کرنے کے بعد مسلمان اپنی گناہوں سے آلودہ پچھلی زندگی کو بھول کر نیک صالح بن کر نئی زندگی کا آغاز کرنے کا عہد کرتا ہے اور دراصل یہ حج کے قبول ہونے کی علامت بھی ہے کہ حاجی اپنی زندگی میں انقلاب لائے، نیکیوں کی طرف میلان اور گناہوں سے پرہیز کا جذبہ اپنے دل میں پیدا کرے۔

☆ حج کی ادائیگی کے جذبے میں انسان کے دنیوی معاملات میں بھی تبدیلی آتی ہے، مثلاً اپنے اہل وعیال کے لیے نفقہ مہیا کرنے کے بعد حج کے لیے روانہ ہونا، قرضدار ہے تو قرض ادا کرنا وغیرہ۔ اسی

طرح جن لوگوں سے اپنے دل میں بغض وکینہ رکھے ہوئے ہو، رخصت کے وقت ان سے معافی تلافی کرتا ہے، روٹھوں کو مناتا ہے، جن کے حقوق تلف کر چکا ہو ان کے حقوق ادا کرتا ہے۔

☆ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں ایک دوسرے کے ساتھ مساوات کا درس ملتا ہے، مگر حج میں اعلیٰ درجہ کی مساوات نظر آتی ہے، وہ اس طرح کہ ایک ہی قسم کے کپڑے پہنے ہوئے، ایک ہی کیفیت میں، ایک ہی جذبہ لیے ہوئے امیر اور غریب، عالم اور جاہل، اصحاب اقتدار اور عوام ایک میدان میں کھلے آسمان کے نیچے اللہ عزوجل کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ کسی کے لیے کوئی خاص جگہ متعین ہوتی، بلکہ جسے جہاں جگہ ملے وہیں قیام کرتا ہے۔

☆ بڑے مجمع کو دیکھ کر میدانِ محشر کا تصور ذہن میں آتا ہے، وہاں پر اسی طرح ہر رنگ، ہر نسل، ہر زبان والے ایک ہی جگہ اللہ عزوجل کے حضور کھڑے ہوں گے۔

حضور ﷺ کا حج

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ کی آخری تاریخ کو جمعرات کے دن مدینہ منورہ میں غسل فرما کر تہبند اور چادر زیب تن فرمایا اور نمازِ ظہر مسجد نبوی میں ادا فرما کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور اپنی تمام ازواجِ مطہرات کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ مدینۂ منورہ سے چھ میل دور اہل مدینہ کی میقات ''ذوالحلیفہ'' پر پہنچ کر رات بھر قیام فرمایا، پھر احرام کے لیے غسل فرمایا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے ہاتھ سے جسم اطہر پر خوشبو لگائی، پھر آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور اپنی اونٹنی ''قصوا'' پر سوار ہو کر احرام کی نیت کی، بلند آواز سے لبیک پڑھا اور روانہ ہو گئے۔

چوتھی ذوالحجہ کو آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، فجر کی نماز آپ نے مقام ''ذی طوی'' میں ادا فرمائی اور غسل فرمایا، پھر آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور چاشت کے وقت مسجد حرام میں داخل ہوئے۔

جب حجرِ اسود کے سامنے تشریف لے گئے تو حجر اسود پر ہاتھ رکھ کر اس کو بوسہ دیا، پھر خانۂ کعبہ کا طواف فرمایا، شروع کے تین پھیروں میں آپ نے رَمَل کیا اور باقی چار چکروں میں معمولی چال سے چلے، ہر چکر میں جب حجرِ اسود کے سامنے پہنچتے تو اس کا استلام کرتے۔

جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم کے پاس تشریف لائے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی، نماز سے فارغ ہو کر پھر حجر اسود کا استلام فرمایا اور سامنے دروازے سے صفا کی جانب روانہ ہوئے، پھر صفا اور مروہ کی سعی فرمائی اور چوں کہ آپ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے (یعنی آپ نے حج قران کی نیت فرمائی تھی) اس لیے عمرہ ادا کرنے کے بعد آپ نے احرام نہیں اتارا۔

آٹھویں ذوالحجہ، جمعرات کے دن آپ منٰی تشریف لے گئے اور پانچ نمازیں ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر منٰی میں ادا فرما کر نویں ذو الحجہ جمعہ کے دن آپ عرفات میں تشریف لے گئے۔

عرفات پہنچ کر آپ نے ایک کمبل کے خیمہ میں قیام فرمایا، جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ پڑھا۔ خطبہ کے بعد آپ نے ظہر اور عصر ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائی، پھر ''مَوقِف'' میں تشریف لے گئے اور جبلِ رحمت کے نیچے غروبِ آفتاب تک دعاؤں میں مصروف رہے۔ غروبِ آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ پہنچے۔ یہاں پہلے مغرب پھر عشا ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائی۔ مشعرِ حرام کے پاس رات بھر امت کے لیے دعائیں مانگتے رہے اور سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے منٰی کے لیے روانہ ہو گئے۔ وادیٔ مُحَسَّر کے راستے سے منٰی میں آپ جمرہ کے پاس تشریف لائے اور کنکریاں ماریں۔

منٰی میں بھی آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا، پھر قربان گاہ میں تشریف لے گئے، آپ کے پاس (چوں کہ ایک لاکھ سے زیادہ لوگ آپ کے ساتھ حج میں شریک تھے، اس لیے) قربانی کے لیے ایک سو

اونٹ تھے، کچھ تو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے ذبح فرمایا اور باقی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپ دیا اور گوشت، پوست، جھول، نکیل سب کو خیرات کر دینے کا حکم دیا۔

قربانی کے بعد حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ نے سر کے بال اتروائے اور کچھ حصہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا اور باقی موئے مبارک کو مسلمانوں میں تقسیم کر دینے کا حکم صادر فرمایا۔

اس کے بعد آپ مکہ شریف تشریف لائے اور طوافِ زیارت فرمایا، پھر چاہِ زمزم کے پاس تشریف لائے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے زمزم شریف پیش کیا اور آپ نے قبلہ رخ کھڑے کھڑے زمزم شریف نوش فرمایا، پھر منٰی واپس تشریف لے گئے، بارہ ذو الحجہ تک منٰی میں مقیم رہے اور ہر روز سورج ڈھلنے کے بعد جمروں کو کنکری مارتے رہے۔

تیرہ ذوالحجہ منگل کے دن آپ سورج ڈھلنے کے بعد منٰی سے روانہ ہو کر ''مُحَصَّب میں رات بھر قیام فرمایا اور صبح کو نمازِ فجر کعبہ کی مسجد میں ادا فرمائی اور طوافِ وداع کر کے انصار و مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ (سیرۃ المصطفیٰ، ص:٣٩٦-٤٠١)

احرام کا معنی

احرام کا لغوی معنی ہے ''حرام کرنا''۔ اصطلاح شرع میں، حج یا عمرہ یا دونوں کی نیت کر کے لبیک پڑھتے ہی بعض حلال چیزیں حرام ہو جاتی ہیں، اسی کو احرام کہتے ہیں۔

نوٹ: احرام کی حالت میں دو بغیر سلی چادریں استعمال کی جاتی ہیں، ان کو مجازاً احرام کہتے ہیں۔

احرام کا حکم

احرام کا حکم دیتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا

رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ. (سورۂ بقرہ،آیت:۱۹۷)

(ترجمہ) حج کے کئی مہینے ہیں جانے ہوئے، تو جوان میں حج کی نیت کرے، تو نہ عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ ہو نہ کوئی گناہ نہ کسی سے جھگڑا۔ (کنزالایمان)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں "فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ" (توجوان میں حج کی نیت کرے) سے مراد "فَمَنْ اَحْرَمَ بِحَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ" (جو حج یا عمرہ کا احرام باندھے) ہے۔ (درمنثور:۱/۴۳۸)

درج بالا آیت سے مراد یہ ہے کہ جو شخص حج کو اپنے اوپر لازم و واجب کرے، احرام باندھ کر یا تلبیہ کہہ کر یا ہدی چلا کر، اس پر رفث، فسوق اور جدال سے بچنا واجب ہے۔

جماع یا عورتوں کے سامنے جماع کا ذکر یا فحش کلام کرنے کو رَفَث کہتے ہیں۔ نکاح اس میں داخل نہیں۔ احرام کی حالت میں مرد،

عورت دونوں کو نکاح کرنا جائز ہے، لیکن مجامعت جائز نہیں۔ فسوق سے گناہ اور نافرمانیاں اور جدال سے جھگڑا مراد ہے، خواہ وہ اپنے ساتھیوں یا خادموں کے ساتھ ہو یا غیروں کے ساتھ۔ (خزائن العرفان، ملخصاً)

احرام سے پہلے خوشبو

احرام سے پہلے خوشبو لگانا مسنون ہے، خود حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معمولات میں سے یہ عمل ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

كُنْتُ اُطَيِّبُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لِاِحْرَامِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِمَ وَلِحِلِّهٖ قَبْلَ اَنْ يَّطُوفَ بِالْبَيْتِ.

(مسلم شریف، حدیث:۲۸۸۳)

(ترجمہ) میں رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر خوشبو لگاتی تھی، ان کے احرام باندھنے سے پہلے اور احرام کھولنے کے بعد طواف کرنے سے پہلے۔

اس حدیث میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر خوشبو لگاتی تھیں، لہٰذا جو حضرات شادی شدہ ہیں انہیں بھی چاہیے کہ وہ اپنی اہلیہ سے اپنے بدن اور احرام کے کپڑوں پر خوشبو لگوائیں، تاکہ یہ عظیم سنت ادا ہو جائے۔

مُحرِم کی بخشش

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَا مِنْ مُّحْرِمٍ يَضْحٰى لِلّٰهِ يَوْمَهُ يُلَبِّى حَتّٰى تَغِيبَ الشَّمْسُ اِلَّا غَابَتْ بِذُنُوبِهٖ فَعَادَ كَمَا وَلَدَتْهُ اُمُّهُ. (ابن ماجہ، حدیث:۳۰۳۷)

اس حدیث میں فرمایا گیا کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہوئے جو شخص لبیک کا ورد کرتا رہتا ہے، اس کی یہ ادا مولا کو اس قدر پسند آتی ہے کہ اسے گناہوں سے پاک فرما دیتا ہے۔

حج کا شعار

ہر چیز کا شعار کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے، مثال کے طور پر داڑھی مرد کے لیے شعار ہے۔ اسی طرح حج کے لیے بھی ایک شعار ہے، جس کا بیان سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمایا:

اَتَانِىْ جِبْرِيْلُ فَاَمَرَنِىْ اَنْ اٰمُرَ اَصْحَابِىْ اَنْ يَّرْفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالْاِهْلَالِ وَ التَّلْبِيَّةِ فَاِنَّهَا شِعَارُ الْحَجِّ.

(ترمذی شریف، حدیث:۸۳۸)

(ترجمہ) میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے اصحاب کو یہ حکم دوں کہ وہ لبیک بلند آواز سے کہیں، کیوں کہ وہ حج کا شعار ہے۔

افضل عمل

ہر عبادت میں کوئی نہ کوئی عمل افضل ہوتا ہے، مثلاً نماز میں سجدہ سب سے افضل عمل ہے، جس سے مولا عزوجل کی بارگاہ میں انتہائی

عاجزی ظاہر ہوتی ہے۔اسی طرح حج میں بھی ایک عمل سب سے افضل ہے،جس کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ. (ابن ماجہ، حدیث: ۳۰۳۶) حج کا سب سے افضل عمل بلند آواز سے تلبیہ کہنا اور قربانی کرنا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حج میں بلند آواز سے تلبیہ کہنا سب سے افضل عمل ہے، لہٰذا تلبیہ کی کثرت کرتے رہنا چاہیے اور اس میں تساہلی اور سستی سے کام نہیں لینا چاہیے۔

احرام کے وقت تصور

☆ جب اپنے روزمرہ کے لباس اتار کر احرام کے کپڑے پہننے کا ارادہ کریں تو یہ تصور کریں کہ ایک دن اسی طرح سفید کپڑوں کا کفن پہن کر اس دنیا کو الوداع کہنا ہوگا۔

☆ یہ تصور کریں کہ احرام پہننے کا حکم تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے اس لیے اپنی پسند کے کپڑے اتار کر حضور تاجدارِ مدینہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پسندیدہ کپڑے پہن رہا ہوں۔

☆ احرام کے لیے جس طرح اپنی پسند کے کپڑے اتار کر اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پسندیدہ کپڑے پہن رہے ہیں، اسی طرح اپنی ہر پسند کو حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پسند پر قربان کرنے کا جذبہ اپنے دل میں پیدا کریں۔

☆ آج ہی سے نافرمانی کا لباس اتار کر فرماں برداری کا لباس پہننے کا عزمِ مصمم کریں۔

احرام کے اسرار و رموز

☆ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام تمدن کے اس ابتدائی دور میں سادہ اور بغیر سلے ہوئے لباس پہنتے تھے، اسی کی یاد میں حج کے دوران مسلمانوں کو بغیر سلے کپڑے پہننے کا حکم ہے۔

☆ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام جس طرح تین دن کے سفر سے تھکے ہارے گرد و غبار میں اَٹے ہوئے اللہ عزوجل کی

بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے، اسی کی یاد میں مسلمان احرام کی حالت میں نہ سر کے بال منڈواتے ہیں، نہ ناخن ترشواتے ہیں، دنیا کے عیش و عشرت اور پرتکلف زندگی سے دور رہتے ہیں، خوش بو نہیں لگاتے، رنگین کپڑے نہیں پہنتے، سر نہیں ڈھانکتے، جنسی لذتوں سے پرہیز کرتے ہیں، پراگندہ بدن، بکھرے ہوئے بال، میلے کپڑے، تھکان کے آثار ظاہر، یہ سب اس لیے ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے مولا کی رضا جوئی کے لیے شب و روز محنت اور تگ و دو کی تھی، اس کے آثار حاجی کے چہرے پر بھی نمایاں ہو جائیں تاکہ حاجی ان بزرگ ہستیوں پر اللہ عزوجل کے فضل و رحمت کی جھما جھم برسنے والی بارش کے چند قطرے پا کر سیراب و سرشار ہو جائے۔

تلبیہ کے اسرار و رموز

"لَبَّیْکَ" کسی پکارنے والے کو جواب میں کہا جاتا ہے، لہٰذا جب کوئی حاجی لبیک کہتا ہے تو گویا ہزاروں سال پہلے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کا اعلانِ عام فرمایا تھا، اسی اعلان کو سن کر اس کے جواب میں اپنی حاضری کا ثبوت دیتا ہے۔

احرام کی پابندیاں کیوں؟

یہ حقیقت ہے کہ تمام اعمال کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے، لیکن عمل کے بغیر نیت کا اظہار نہیں ہوتا۔ جس طرح نماز کی نیت کا اظہار تکبیر تحریمہ سے ہوتا ہے اسی طرح احرام کے ذریعہ حج کی نیت کا اظہار ہوتا ہے۔ احرام کے بعد انسان عام کیفیت سے نکل کر ایک خاص کیفیت کے ساتھ متصف ہوتا ہے اور روزانہ کے معمولات سے نکل کر ایک خاص حالت میں آجاتا ہے اور اس پر وہ تمام چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو دنیوی عیش و عشرت، زیب و زینت اور دل کی تفریح کا ذریعہ ہوتی ہیں۔

شکار اس لیے نہیں کرسکتا کہ صرف زبان کی لذت کے لیے کسی جان دار کی جان لینا احرام کی اس خاص حالت میں مناسب نہیں۔عورت سے جنسی لذت اس لیے نہیں حاصل کرسکتا کہ یہ نفسانی اور شہوانی لذتوں سے بچنے کا موقع ہے۔ سلے ہوئے کپڑے اس لیے نہیں پہن سکتا، کیوں کہ سلے ہوئے کپڑوں سے زینت اور شان وشوکت جھلکتی ہے اور یہ عاجزی وانکساری کی جگہ ہے۔

طواف کیا ہے؟

''طواف'' کا لغوی معنی ''گھومنا'' اور ''چکر لگانا'' ہے۔ اصطلاح شرع میں خانۂ کعبہ کے ارد گرد مخصوص طریقہ پر سات چکر لگانے کو طواف کہتے ہیں۔

حج قران کرنے والوں کو چار طواف کرنے ہوتے ہیں۔
(۱) طوافِ عمرہ (فرض عمرہ) (۲) طوافِ قدوم (سنت) (۳) طوافِ زیارت (فرض حج) (۴) طوافِ وداع (واجب)

حج تمتع کرنے والوں کو تین طواف کرنے ہوتے ہیں۔
(۱) طوافِ عمرہ (فرض عمرہ) (۲) طوافِ زیارت (فرض حج) (۴) طوافِ وداع (واجب)

حج افراد کرنے والوں کو تین طواف کرنے ہوتے ہیں۔
(۱) طوافِ قدوم (سنت) (۲) طوافِ زیارت (فرض حج) (۳) طوافِ وداع (واجب)

طواف کا حکم

اپنے بندوں کو طواف کا حکم دیتے ہوئے اللہ عزوجل نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا: ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَ لْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ. (سورۂ حج، آیت:۲۹) پھر اپنا میل کچیل اتاریں اور اپنی منتیں پوری کریں اور اس آزاد گھر کا طواف کریں۔
(کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ عزوجل نے حج کے تمام مناسک ادا کرنے

کے بعد طواف کرنے کا حکم فرمایا۔اس سے ثابت ہوا کہ طواف حاجیوں پر فرض اور حج کا ایک رکن ہے۔

غلام آزاد کرنے کے برابر

اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی غلام کو آزاد کیا، اللہ عزوجل اس غلام کے ہر ہر عضو کے بدلے اس آزاد کرنے والے کے ہر ہر عضو کو جہنم سے آزاد فرما دے گا۔
(مسند امام احمد، حدیث:۱۷۴۸۷)

طواف کے فضائل بیان فرماتے ہوئے اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ سَبْعًا لَا يَتَكَلَّمُ فِيْهِ اِلَّا بِتَكْبِيْرٍ اَوْ تَهْلِيْلٍ كَانَ عَدْلَ رَقَبَةٍ. (شعب الایمان للبیہقی، حدیث: ۳۸۸۸)

(ترجمہ) جس نے خانۂ کعبہ کے سات چکر طواف کیے، جس میں تکبیر وتہلیل کے علاوہ کوئی گفتگو نہ کی، اس کے لیے ایک غلام آزاد

کرنے کا ثواب ہے۔

ان دونوں حدیثوں کو بغور پڑھیں، پہلی حدیث میں غلام آزاد کرنے کا ثواب درج ہے اور دوسری حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ سات پھیرے طواف کرنا اور طواف کے پھیرے لگاتے وقت کسی سے گفتگو نہ کرنا ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب رکھتا ہے۔

قدم قدم پر نیکی

بہت سے مواقع ایسے ہیں، جہاں پر اٹھنے والا ہر قدم نیکی میں شمار ہوتا ہے، انہیں میں سے ایک طواف بھی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ اُسْبُوْعًا يُحْصِيْهِ كُتِبَ لَهٗ بِكُلِّ خُطْوَةٍ حَسَنَةٌ وَ كُفِّرَتْ عَنْهُ سَيِّئَةٌ وَ رُفِعَتْ لَهٗ دَرَجَةٌ وَّ كَانَ عَدْلَ عِتْقِ رَقَبَةٍ. (مسند امام احمد، حدیث:۵۸۳۴)

(ترجمہ) جس نے اس گھر کے سات پھیرے طواف کیے، انہیں شمار کرتے ہوئے، اس کے لیے ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھی جائے گی، ایک گناہ مٹایا جائے گا اور اس کا ایک درجہ بلند کیا جائے گا اور یہ طواف اس کے لیے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہوگا۔

اب آپ خود اندازہ کریں کہ خانۂ کعبہ کے طواف میں کتنے قدم چلنے ہوتے ہوں گے۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ مسجد حرام میں نفل نماز پڑھنے سے بہتر طواف کرنا ہے، نفل کے مقابلے میں طواف پر زیادہ ثواب ہے۔ لہٰذا موقع ملے تو خوب خوب طواف کریں تا کہ اس کے برکات حاصل کر سکیں۔

اللہ عزوجل کا فخر

کتنا خوش نصیب ہوگا وہ بندہ جس پر خود اس کا خالق و مالک فخر کرے۔ طواف کرنے والے کو یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے کہ خود اس پر پروردگارِ عالم جل وعلا فخر فرماتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: **اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ یُبَاھِیْ بِالطَّآئِفِیْنَ.** (شعب الایمان للبیھقی، حدیث: ۳۹۴۰)

(ترجمہ) اللہ عزوجل طواف کرنے والوں پر فخر کرتا ہے۔

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عمل اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اس قدر مقبول ہے کہ اس عمل کے کرنے والے پر مولا عزوجل خود فخر فرمارہا ہے۔

کثرتِ طواف

اوپر بیان کی گئی احادیث مبارکہ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ طواف میں کتنا ثواب ہے، جب طواف اس قدر ثواب کا باعث ہے تو پھر کیوں نہ زیادہ سے زیادہ طواف کیا جائے، جب کہ کثرتِ طواف کے فضائل میں بھی حدیثیں وارد ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے خانۂ کعبہ کا اس

قدر طواف کیا کہ اس کے دونوں پیر درد کرنے لگے تو اللہ عزوجل نے اپنے ذمۂ کرم پر لے لیا ہے کہ جنت میں اس کے دونوں قدموں پر رحم فرمائے۔ (اخبار مکہ، حدیث: ۲۹۹)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کعبہ کے گرد ستر ہزار فرشتے ہوتے ہیں، جو طواف کرنے والوں کے لیے استغفار اور ان پر رحمت نازل ہونے کی دعا کرتے ہیں۔ (اخبار مکہ، حدیث: ۳۰۱)

طوافِ کعبہ کے وقت تصور

خانۂ کعبہ ٹھیک عرش اعظم کے نیچے موجود ہے۔ طوافِ کعبہ اس بات کا احساس دلاتا ہے جیسے کوئی پروانہ شمع کے اردگرد چکر لگا کر اپنی محبت کا ثبوت پیش کر رہا ہو۔

طواف کے وقت یہ تصور جما ہو کہ میرے مولیٰ جس طرح تیرے گھر کے اردگرد دیوانہ وار چکر لگا کر ہم اپنی بندگی کا اظہار کرتے

ہیں، زمانہ کتنا بھی گردش کرے، ہم تیرے فرمان پر عمل کرنے میں ہرگز نہیں ڈگمگائیں گے۔

رَمَل کیا ہے؟

''رَمَل'' کا لغوی معنی ہے کندھوں کو ہلاتے ہوئے دوڑنا۔ شریعت کی اصطلاح میں خانۂ کعبہ کا طواف کرتے وقت شروع کے تین پھیروں میں اکڑ کر، مونڈھے ہلاتے ہوئے، چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر تھوڑا تیزی سے چلنا۔

اضطباع کیا ہے؟

''اضطباع'' کا لغوی معنی ہے ''بغل ظاہر کرنا''۔ شرعی اصطلاح میں اضطباع طواف کے وقت اوپر والی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر اس طرح بائیں کندھے پر ڈالنے کا نام کہ دایاں کندھا کھلا رہے۔

رَمَل و اضطباع کا پس منظر

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا جو عمرہ قضا ہو گیا تھا، حدیبیہ کے صلح نامہ میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ آئندہ سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ آ کر عمرہ ادا کریں گے اور تین دن مکہ میں ٹھہریں گے۔ اس دفعہ کے مطابق ماہِ ذوالقعدہ (۷ھ) میں آپ نے عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ روانہ ہونے کا عزم فرمایا، آپ کے ساتھ صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت بھی تھی۔

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاص حرمِ کعبہ میں داخل ہونے لگے تو کچھ کفار اپنے دارالندوہ کے پاس کھڑے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بادۂ توحید و رسالت سے مست ہونے والے مسلمانوں کے طواف کا نظارہ کرنے لگے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ مسلمان بھلا کیا طواف کریں گے، ان کو تو بھوک اور مدینہ کے بخار نے کچل کر رکھ دیا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں پہنچ کر اضطباع کر لیا

اور فرمایا کہ خدا اس پر رحمت نازل فرمائے جو ان کفار کے سامنے اپنی قوت کا اظہار کرے۔ پھر آپ نے اپنے اصحاب کے ساتھ شروع کے تین پھیروں میں شانوں کو ہلا ہلا کر خوب اکڑتے ہوئے چل کر طواف کیا۔ چنانچہ یہ سنت آج تک باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔

(سیرۃ المصطفیٰ، ص:۳۰۰-۳۰۱)

اِستلام کیا ہے؟

''استلام'' کا لغوی معنی ہے ''چھونا'' اور ''چومنا''۔ اصطلاحِ شرع میں حجرِ اسود پر ہونٹ رکھ کر بوسہ دینے یا ہاتھ یا چھڑی سے حجرِ اسود کو چھو کر اپنے ہاتھ یا چھڑی کو بوسہ دینے یا حجرِ اسود کی طرف ہاتھوں سے اشارہ کر کے اپنے ہاتھوں کو چومنے کو استلام کہتے ہیں۔

حجرِ اسود کیا ہے؟

جب حضرت آدم علیہ السلام اللہ عزوجل کے حکم سے جنت سے زمین پر تشریف لائے، انہیں جنت کا اشتیاق ہوا، تو اللہ عزوجل نے

حجرِ اسود کو جنت سے اتارا، تاکہ حضرت آدم علیہ السلام اس سے مانوس ہو جائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے اٹھا کر اپنی گود میں سٹا لیا۔

(تاریخ مکۃ المشرفہ و المسجد الحرام لابن الضیاء، ص: ۴)

رُکنِ یَمانی کیا ہے؟

کعبہ شریف کا یمن کی جانب کا حصہ جو پچھم کا کونہ ہے، اس کو رکنِ یمانی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رکنِ یمانی اور مقامِ ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں، اللہ عزوجل نے ان کے نور کو واپس لے لیا، اگر واپس نہ لیتا تو یہ دونوں مشرق سے لے کر مغرب تک ساری روئے زمین کو روشن کر دیتے۔

(ترمذی شریف، حدیث: ۸۸۷)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رکنِ یمانی پر ایک فرشتہ ہے جو آمین کہتا ہے، تو جب تم رکنِ یمانی کے

پاس سے گزرو تو کہو: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ. (مصنف ابن ابی شیبہ: ۷/۱۰۴)

(ترجمہ) اے رب ہمارے! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں عذابِ دوزخ سے بچا۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ رکنِ یمانی پر دعا قبول ہوتی ہے، لہٰذا رکنِ یمانی پر پہنچ کر اللہ عزوجل سے دعائیں مانگنی چاہئیں، خصوصاً دعا میں دنیا اور آخرت کی بھلائی مانگیں۔ خود خالقِ کائنات جل وعلا نے قرآن مقدس (سورۂ بقرہ آیت: ۱۰۲) میں اس کا حکم فرمایا۔

استلام کیوں؟

طوافِ کعبہ کرنے والے کو ہر طواف کے شروع میں حجرِ اسود کو بوسہ دینے کا حکم ہے، کیوں کہ حجرِ اسود کا استلام کرنا بڑے ہی فضائل و برکات کا حامل ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر بیان فرماتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مَسْحَ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ وَ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ يَحُطَّانِ الْخَطَايَا حَطًّا. (المعجم الكبير للطبراني، حديث: ۱۳۲۵۷)

(ترجمہ) حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کو چھونا بندے کو گناہوں سے مکمل طور پر پاک کر دیتا ہے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین طواف کے دوران حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کو چھونے اور انہیں بوسہ دینے کا خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں مروی ہے، ان سے کسی صحابی نے پوچھا کہ آپ حجر اسود اور رکنِ یمانی کو چھونے اور بوسہ دینے کا خصوصی اہتمام کیوں فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا، میں کیوں نہ کروں، میں نے تو رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان کو چھونے سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ (المعجم الكبير للطبراني، حديث: ۱۳۲۵۸)

حضرت عبداللہ ابن عمر جلیل القدر صحابی ابن جلیل القدر صحابی

ہیں، ان کا یہ حال ہے کہ انہوں نے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر ان دونوں رکنوں کے چھونے کا خصوصی اہتمام فرما رہے ہیں، پھر ہم جو کہ سراپا خطا کار اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، ہمیں جب اپنے گناہوں کو دھلنے کا موقع میسر آ جائے تو کس قدر اس کا اہتمام کرنا چاہیے؟

مقام ابراھیم کا پس منظر

مقامِ ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر فرمائی۔ اس میں آپ کے قدموں کے نشان ابھی تک موجود ہیں، جب کہ کئی ہزار سال گزر چکے ہیں اور نہ جانے کتنے ہاتھوں نے آپ کے قدموں کے نشان کو چھوا ہے، پھر بھی نشان مٹ نہ سکے، بلکہ ابھی تک باقی ہیں۔ مقامِ ابراہیم کو اللہ عزوجل نے اپنی روشن نشانی فرمایا، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ. (سورۂ آلِ عمران، آیت: ۹۷) اس میں کھلی نشانیاں ہیں، ابراہیم

کے کھڑے ہونے کی جگہ۔

کعبۂ معظّمہ کے گرد جو دیگر کھلی نشانیاں ہیں، ان کا ذکر کرتے ہوئے صاحبِ تفسیر خزائن العرفان مذکورہ آیت کے تحت لکھتے ہیں:

ان نشانیوں میں سے بعض یہ ہیں کہ پرند کعبہ شریف کے اوپر نہیں بیٹھتے اور اس کے اوپر سے پرواز نہیں کرتے، بلکہ پرواز کرتے ہوئے آتے ہیں تو اِدھر اُدھر ہٹ جاتے ہیں اور جو پرند بیمار ہو جاتے ہیں، وہ اپنا علاج یہی کرتے ہیں کہ ہوائے کعبہ میں ہو کر گزر جائیں، اسی سے انہیں شفا ہوتی ہے اور وُحوش ایک دوسرے کو حرم میں ایذا نہیں دیتے حتی کہ کتے اس سرزمین میں ہرن پر نہیں دوڑتے اور وہاں شکار نہیں کرتے اور لوگوں کے دل کعبۂ معظّمہ کی طرف کھنچتے ہیں اور اس کی طرف نظر کرنے سے آنسو جاری ہوتے ہیں اور ہر شبِ جمعہ کو ارواحِ اَولیا اس کے گرد حاضر ہوتی ہیں اور جو کوئی اس کی بے حرمتی کا قصد کرتا ہے، برباد ہو جاتا ہے۔

مقامِ ابراھیم پر نماز

طوافِ کعبہ کے بعد مقامِ ابراہیم پر نماز کا حکم ہے، اس نماز کے بہت فضائل احادیث مبارکہ میں مذکور ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

اِنَّ الرُّكْنَ وَ الْمَقَامَ مِنْ يَاقُوْتِ الْجَنَّةِ وَ لَوْلَا مَا مَسَّهُمَا مِنْ خَطَايَا بَنِي اٰدَمَ لَاَضَآئَتَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا مَسَّهُمَا مِنْ ذِي عَاهَةٍ وَّ لَا سَقِيْمٍ اِلَّا شُفِيَ.

(السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۵/۷۵)

(ترجمہ) رکنِ یمانی اور مقامِ ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے ہیں، اگر وہ انسانوں کے گناہوں کو نہ چوستے تو مشرق سے لے کر مغرب تک پوری روئے زمین کو روشن کر دیتے۔ اگر کوئی آفت زدہ یا بخار والا انہیں چھوئے تو ضرور اسے شفا ہو جائے۔

حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسولِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَّ صَلّٰى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ وَ شَرِبَ مِنْ مَّاءِ زَمْزَمَ غَفَرَ اللّٰهُ ذُنُوْبَهٗ كُلَّهَا بَالِغَةً مَّا بَلَغَتْ. (جمع الجوامع، حدیث: ۵۵۸۷)

(ترجمہ) جس نے خانۂ کعبہ کے سات پھیرے طواف کیے، مقامِ ابراہیم کے پاس دو رکعتیں نماز پڑھیں اور آبِ زمزم پیا، اللہ عزوجل اس کے سارے گناہ معاف فرما دے گا چاہے جتنے بھی ہوں۔

ان حدیثوں سے مقامِ ابراہیم کو بوسہ دینے اور اس کے پاس نماز پڑھنے کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ اسے اللہ عزوجل کے ایک جلیل القدر پیغمبر سے نسبت ہے اور سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اسے چھوا ہے اور اس کے پاس نماز پڑھی ہے، صحابۂ کرام، تابعین اور جملہ صالحین کا بھی یہی معمول رہا ہے۔

برکاتِ ملتزم

طواف کے بعد ملتزم سے لپٹ کر دعائیں کی جاتی ہیں اور احادیث مبارکہ اس بات کی شاہد ہیں کہ ملتزم سے لپٹنا حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے اور وہاں پر دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

حضرت ابوالزبیر مکی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ملتزم، مَدعیٰ (دعا کی جگہ) اور مُتَعَوَّذ (پناہ کی جگہ) خانۂ کعبہ کے دروازے اور حجرِ اسود کے درمیان ہے۔ حضرت ابوالزبیر کہتے ہیں، میں نے اسی جگہ ملتزم کے مقابل دعا کی تو میری دعا قبول ہوگئی۔ (اخبار مکۃ للازرقی، حدیث: ۴۸۳)

حضرت عَمر و بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عَمر و کے ساتھ طواف کیا، جب ہم کعبہ کے پچھلے حصے پر پہنچے تو میں نے کہا، کیا آپ پناہ نہیں مانگیں گے؟ انہوں نے فرمایا: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ (میں جہنم سے اللہ

کی پناہ مانگتا ہوں) پھر آگے بڑھ کر انہوں نے حجرِ اسود کا استلام کیا، اس کے بعد رکنِ یمانی اور خانۂ کعبہ کے دروازے کے درمیان کھڑے ہو گئے، اپنے سینے، چہرے، دونوں کلائیوں اور دونوں ہتھیلیوں کو بچھا کر کعبہ کی دیوار سے لگالیا اور فرمایا: میں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ (اخبار مکۃ للازرقی، حدیث: ۴۸۳)

پہلی حدیث میں ملتزم کے پاس دعا قبول ہونے کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں یہ مذکور ہے کہ ملتزم سے لپٹنا سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظیم سنت ہے۔ پھر ہم اہل محبت کو تو ملتزم سے لپٹنے کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ اسے سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے جسمِ طیب و طاہر سے نسبت ہے، لہٰذا اس سے لپٹ کر خانۂ کعبہ اور سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے فیوض و برکات ضرور حاصل کریں اور ملتزم سے قریب اپنے لیے، اپنے دوست و احباب اور اپنے والدین کے لیے ضرور دعا کریں کہ یہ قبولیت کا مقام ہے۔

میزابِ رحمت

کعبہ کی چھت پر ایک سونے کا پرنالہ نصب ہے، اس کو میزابِ رحمت کہتے ہیں۔ یہ رکنِ عراقی اور رکنِ شامی کے درمیان اتر کی جانب جو دیوار ہے، اس کی چھت پر نصب ہے، اس سے بارش کا پانی حطیم کے اندر گرتا ہے۔ میزابِ رحمت کے نیچے کھڑے ہو کر دعا کرنے سے بھی دعا قبول ہوتی ہے اور اگر بارش ہو جائے تو یہ کوشش کریں کہ میزابِ رحمت سے ہو کر گرنے والا کعبہ کی چھت کا پانی کے چھینٹیں آپ پر پڑ جائیں کہ یہ بہت بڑی سعادت مندی ہے۔

آبِ زمزم تاریخ کے آئینے میں

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بی بی ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ عزوجل کے حکم سے مکۂ معظّمہ کے بے آب و گیاہ علاقے میں چھوڑ کر روانہ ہونے لگے، اس وقت آپ نے ایک بوری حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد کی جس میں کچھ کھجوریں

تھیں اور پانی کا ایک مشکیزہ دیا۔ چند دنوں میں جب پانی وغیرہ ختم ہو گیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو شدت کی پیاس لگی، اس وقت حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پستانوں میں بھی دودھ کا قطرہ باقی نہیں رہ گیا تھا جس سے آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سیراب کریں، انہوں نے آس پاس کے علاقوں میں پانی تلاش کیا، مگر اس سنگلاخ زمین پر پانی کہاں میسر؟ پانی کی تلاش میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کبھی صفا پہاڑی پر چڑھتیں، کبھی مروہ پر، اسی دوران پیاس کی شدت سے حضرت اسماعیل علیہ السلام ایڑیاں رگڑنے لگے، جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا واپس آئیں تو دیکھا کہ جس جگہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ایڑیاں رگڑیں، وہیں پر پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ بی بی ہاجرہ پانی نکلتے ہوئے دیکھ کر حوض بنانے لگیں اور کچھ پانی چلو سے بھر کر اپنے مشکیزے میں ڈالنے لگیں۔ وہی چشمہ اُس وقت سے آج تک جاری ہے اور ہر سال لاکھوں عازمین حج اس سے پیتے ہیں، بھر کر اپنے

ملک لے جاتے ہیں، مگر یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں کی برکت سے ظاہر ہونے والا چشمہ اسی طرح جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا۔

زمزم پینے کے فضائل

آبِ زمزم میں بیماریوں کے لیے شفا ہے، اس کے تعلق سے متعدد حدیثیں ملتی ہیں، اختصاراً چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابو جمرہ ضُبعی کہتے ہیں کہ میں مکہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی بیٹھا ہوا تھا، مجھے بخار تھا، انہوں نے فرمایا کہ اس کو آبِ زمزم (پی کر یا لگا کر) ٹھنڈا کرلو، کیوں کہ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بخار جہنم کی گرمی سے ہے، اسے آبِ زمزم سے ٹھنڈا کرو۔ (بخاری شریف، حدیث:۳۲۶۱)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا کہ نیک لوگوں کی نماز کی جگہ کون سی ہے؟ انہوں نے فرمایا: میزاب کے

نیچے۔ پھر پوچھا گیا کہ نیکوں کا مشروب کیا ہے؟ فرمایا: آبِ زمزم۔

(اخبار مکة للازرقي، حديث: ۳۷۷)

حضرت وہب بن مُنَبِّہ فرماتے ہیں: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں وہب کی جان ہے، جو کوئی شخص خوب پیٹ بھر کر آبِ زمزم پی لے، اس کی بیماری دور ہو جائے اور اسے شفا حاصل ہو جائے۔ (اخبار مكة للازرقي، حديث: ۶۱۰)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ اِنْ شَرِبْتَهُ تَسْتَشْفِي بِهٖ شَفَاكَ اللّٰهُ وَ اِنْ شَرِبْتَهُ لِشِبَعِكَ اَشْبَعَكَ اللّٰهُ بِهٖ وَ اِنْ شَرِبْتَهُ لِقَطْعِ ظَمَئِكَ قَطَعَهُ. (سنن الدارقطنی، حدیث:۲۷۷۲)

(ترجمہ) آبِ زمزم سے وہی فوائد حاصل ہوں گے جن کے لیے اسے پیا جائے، اگر تم اسے شفا حاصل کرنے کے لیے پیوٴ گے تو اللہ

عزوجل تمہیں اس کے ذریعہ شفا عطا فرمائے گا اور اگر تم اس کو بھوک مٹانے کے لیے پیو گے تو اللہ عزوجل اس کے ذریعہ تمہاری بھوک مٹا دے گا اور اگر تم اسے پیاس بجھانے کے لیے پیو گے تو اللہ عزوجل اس کے ذریعہ تمہاری پیاس بجھا دے گا۔

ان حدیثوں میں یہ وضاحت ہے کہ آبِ زمزم کھانا بھی ہے، پانی بھی، دوا بھی اور باعثِ برکت بھی۔ ان کے علاوہ کثرت کے ساتھ حدیثیں موجود ہیں، جن میں آبِ زمزم پینے کے فضائل وفوائد موجود ہیں۔ لہٰذا موقع ملے تو خوب جی بھر کر آبِ زمزم پئیں، اپنے دوست و احباب کے لیے لے کر آئیں اور اس سے خوب برکت حاصل کریں۔

دعا قبول ہوتی ہے

متعدد احادیث مبارکہ میں موجود ہے کہ آبِ زمزم پیتے وقت دعائیں قبول ہوتی ہیں اور جب اس مقام پر دعا قبول ہوتی ہے تو کیوں نہ وہ دعا مانگی جائے جو پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب

مانگا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے آبِ زمزم پیا، پھر یہ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ رِزْقًا وَّاسِعًا وَّ شِفَآءً مِّنْ کُلِّ دَآءٍ. (مصنف عبدالرزاق، حدیث:۹۱۱۲)

(ترجمہ) اے اللہ! میں تجھ سے علمِ نافع اور وُسعت والی روزی اور ہر بیماری سے شفا مانگتا ہوں۔

آبِ زمزم پیتے وقت کا تصور

آبِ زمزم پیتے وقت یہ تصور ذہن میں ہو کہ آبِ زمزم پینے کے بعد اپنی پوری زندگی اللہ عزوجل اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت میں کر دیں گے۔

سعی کیا ہے؟

''سَعی'' کا لغوی معنی ہے دوڑنا۔ حج کی اصطلاح میں صفا اور مروہ دونوں مبارک پہاڑیوں کے بیچ مخصوص طریقے پر سات چکر لگانے

کو سعی کہتے ہیں۔

صفا اور مروہ کی تاریخی حیثیت

صفا اور مروہ مکۂ مکرمہ کے دو پہاڑ ہیں، جو کعبۂ معظّمہ کے مقابل مشرق کی جانب واقع ہیں۔ مروہ شمال کی طرف مائل اور صفا جنوب کی طرف، جبلِ ابی قُبَیس کے دامن میں ہے۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ان دونوں پہاڑوں کے قریب اس مقام پر جہاں چاہِ زمزم ہے، بحکم الٰہی سکونت اختیار فرمائی۔ اس وقت یہ مقام سنگلاخ بیابان تھا، نہ یہاں سبزہ تھا، نہ پانی، نہ خورد ونوش کا کوئی سامان۔ رضائے الٰہی کے لیے ان مقبول بندوں نے صبر کیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام بہت چھوٹے تھے، پیاس کی شدت سے جب ان کی جاں بلبی کی حالت ہوئی، تو حضرت ہاجرہ بے تاب ہو کر کوہِ صفا پر تشریف لے گئیں، وہاں بھی پانی نہ پایا تو اُتر کر نشیب کے میدان میں دوڑتی ہوئی مروہ تک

پہنچیں۔ اس طرح سات مرتبہ گردش ہوئی۔ اللہ عزوجل نے غیب سے ایک چشمہ ''زمزم'' نمودار کیا اور ان کے صبر واخلاص کی برکت سے ان کے اتباع میں ان دونوں پہاڑوں کے درمیان دوڑنے والوں کو مقبول بارگاہ کیا اور ان دونوں کو دعا قبول ہونے کی جگہ بنایا۔

(خزائن العرفان، پ:۲، ذیل سورۂ بقرہ آیت:۱۵۸)

سعی کے فضائل

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے حوالے سے قرآن مقدس اور احادیث کریمہ میں فضائل وارد ہیں۔ اختصار کے سبب ان میں سے چند پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

اللّٰہ کی نشانیاں

زمانۂ جاہلیت میں صفا و مروہ پر دو بت رکھے تھے، صفا پر جو بت تھا، اس کا نام اِساف اور جو مروہ پر تھا اس کا نام نائلہ تھا۔ کفار جب صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے، تو ان بتوں پر تعظیمًا ہاتھ پھیرتے۔

عہدِ اسلام میں بت تو توڑ دیئے گئے، لیکن چوں کہ کفار یہاں مشرکانہ فعل کرتے تھے، اس لیے مسلمانوں کو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا گراں ہوا کہ اس میں کفار کے مشرکانہ فعل کے ساتھ کچھ مشابہت ہے۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِھِمَا. (سورۂ بقرہ، آیت:۱۵۸)

(ترجمہ) بیشک صفا اور مروہ اللہ کے نشانوں سے ہیں تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے پھیرے کرے۔

اس آیت میں ان کا اطمینان فرما دیا گیا کہ چوں کہ تمہاری نیت خالص عبادتِ الٰہی کی ہے، تمہیں اندیشۂ مشابہت نہیں اور جس طرح کعبہ کے اندر زمانۂ جاہلیت میں کفار نے بت رکھے تھے، اب عہدِ اسلام میں بت اٹھا دیئے گئے اور کعبہ شریف کا طواف درست رہا اور وہ شعائرِ دین میں سے رہا، اسی طرح کفار کی بت پرستی سے صفا اور مروہ

کے شعائرِ دین ہونے میں کچھ فرق نہیں آیا۔(خزائن العرفان، ذیل آیہ مذکورہ)

پل صراط پر ثبات قدم

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرکارِ ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَعٰی بَیْنَ الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃِ ثَبَّتَ اللّٰہُ تَعَالٰی قَدَمَیْہِ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ الْاَقْدَامُ. (جمع الجوامع، حدیث:۲۱۷۹)

(ترجمہ) جو شخص صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے، اللہ عزوجل قیامت کے دن پل صراط پر اس کو ثابت قدم رکھے گا، جس دن لوگوں کے قدم پھسل جائیں گے۔

سعی کے وقت تصور

ایک ماں اپنے بچے کے لیے پانی کی تلاش میں دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑتی ہے، یہی ادا مولیٰ کو پسند آگئی اور اپنی اس نیک بندی کی اس ادا کو شعائر اللہ میں شامل کرلیا۔ اب قیامت تک جتنے بھی حج و

عمرہ سے مشرف ہونا چاہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی طرح صفا اور مروہ کے درمیان سعی کریں۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خود کو اور اپنے ننھے بچے کو اس بے آب و گیاہ وادی میں تنہا اس لیے چھوڑا تھا کہ ان کے شوہر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا حکم اللہ رب العزت نے دیا تھا۔ صفا و مروہ کی سعی کرتے وقت یہ تصور کریں کہ ہم بھی اسی بے قراری اور بے چینی کے وقت اگر کسی سے فریاد کریں گے تو صرف اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انشاءاللہ ہماری پریشانی بھی دور ہوگی۔

میلین اخضرین

میلین اخضرین کا معنی ہے دو سبز نشان۔ یہ دو نشان صفا اور مروہ کے درمیان ہیں، جن کے درمیان سعی کرنے والوں کو دوڑنے کا حکم ہے۔ اس کی علت یہ ہے کہ جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پانی کی تلاش میں صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا کے پھیرے لگا رہی تھیں، تو جتنا

حصہ ڈھلان کا ہے اتنے حصے سے حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کو نظر نہیں آ رہے تھے، اس لیے اتنے حصے میں وہ دوڑتے ہوئے آگے بڑھتی تھیں۔ اسی سنت کو زندہ رکھنے کے لیے حج و عمرہ کرنے والوں کو یہ حکم ہوا کہ طواف کرتے وقت اتنے حصے میں تیز تیز قدم بڑھائیں اور دوڑتے ہوئے اتنا حصہ پار کریں۔(العرف الشذی شرح سنن الترمذی: ۲/۳۳۷)

منٰی تاریخ کے آئینے میں

منٰی مسجد حرام سے تقریباً پانچ کلومیٹر پر ایک وادی کا نام ہے، جہاں حج کرنے والے قیام کرتے ہیں۔ یہ حرم میں شامل ہے اور اس کی حرمت کے احکام بھی حرم ہی کی طرح ہیں۔ اس میدان کا تاریخ سے کئی طور پر تعلق ہے۔ (۱) جب اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم فرمایا تو آپ انہیں منٰی کے میدان ہی میں لے کر آئے تھے۔ (۲) ذبح کے ارادے سے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر

جا رہے تھے، اس وقت آپ کو شیطان ملا، آپ نے اسے کنکریاں ماریں تو وہ بھاگ گیا۔ اسی لیے حجاج کرام کو میدانِ منٰی میں جمروں کو کنکریاں مارنے اور قربانی کرنے کا حکم ہوا۔

سنتِ خلیل و حبیب

حج کے دوران منٰی میں وقوف کرنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور خود ہمارے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے۔ چنانچہ مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور قبیلۂ جرہم کے جو مسلمان ان دنوں حرم میں سکونت پذیر تھے، ان کو ساتھ لے کر حج کیا، منٰی پہنچ کر سب نے باجماعت ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نماز پڑھی، پھر منٰی ہی میں رات بھر قیام کیا۔(تاریخ مکة المشرفة و المسجد الحرام لابن الضیا: ۱۶۱/۱)

اسی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ

نے آٹھویں ذوالحجہ کومنیٰ میں ظہر، عصر، مغرب اور عشا پڑھ کر قیام فرمایا، پھر دوسرے دن فجر کی نماز پڑھ کر عرفات کے لیے روانہ ہوئے۔

(سنن ابن ماجہ، حدیث: ۳۱۱۸)

آٹھویں ذوالحجہ کو یوم تَرْوِیہ کہتے ہیں، ترویہ کا معنی ہے غور وفکر کرنا، اس دن کو یومِ ترویہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے پہلے والی رات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ انہیں کوئی اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے کہہ رہا ہے، صبح اٹھ کر آپ نے اس معاملہ میں غور وفکر کیا، اسی وجہ سے اس دن کا نام یومِ ترویہ پڑ گیا۔ (تفسیر بغوی: ۱/۲۲۹)

یومِ عرفہ اور مقامِ عرفات

''عَرَفَہ'' کا معنی ہے ''جاننا''، ''پہچاننا''، ''گناہوں کا اعتراف کرنا''۔ ۹/ذوالحجہ کو ''یومِ عرفہ'' اس لیے کہتے ہیں کہ جنت سے اتارے جانے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت دنوں تک جدا رہے، پھر اسی دن مقامِ عرفات میں

دونوں ایک دوسرے سے ملے اور دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس دن مقامِ عرفات میں بندہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہے، اسی لیے اس دن کو یومِ عرفہ اور اس مقام کو مقامِ عرفات کہتے ہیں۔ (خزائن العرفان، ذیل سورۂ بقرہ، آیت: ۱۹۸)

میدان عرفات کی تاریخ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: **كَانَتْ قُرَيْشٌ وَّ مَنْ دَانَ دِينَهَا يَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَ كَانُوا يُسَمَّوْنَ الْحُمْسَ وَ كَانَ سَائِرُ الْعَرَبِ يَقِفُونَ بِعَرَفَاتٍ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ اَمَرَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَنْ يَّأْتِيَ عَرَفَاتٍ ثُمَّ يَقِفَ بِهَا ثُمَّ يُفِيضَ مِنْهَا.** (مسلم شریف، حدیث: ۴۵۲۰)

(ترجمہ) قبیلۂ قریش کے لوگ اور جو ان کے دین پر تھے وہ لوگ یوم عرفہ کو مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے اور اسے شرافت سمجھتے تھے، باقی تمام اہل عرب میدانِ عرفات میں وقوف کرتے تھے۔ جب اسلام

آیا تو اللہ عزوجل نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا کہ عرفات آئیں، وقوفِ عرفہ کریں اور پھر وہاں سے پلٹیں۔

(بخاری شریف، حدیث: ۴۵۲۰)

اس بات کا حکم دیتے ہوئے اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: **ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝** (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۹۹)

(ترجمہ) پھر بات یہ ہے کہ اے قریشیو! تم بھی وہیں سے پلٹو، جہاں سے لوگ پلٹتے ہیں اور اللہ سے معافی مانگو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (کنز الایمان)

یوم عرفہ کی فضیلت

اللہ عزوجل غفور ورحیم ہے، وہ اپنے بندوں کو بخشتا ہے، ان پر اپنا فضل فرماتا ہے، لیکن جتنا فضل وکرم وہ اپنے بندوں پر عرفہ کے دن فرماتا ہے دوسرے دنوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل یومِ عرفہ سے زیادہ کسی دن اپنے بندوں کو جہنم سے آزاد نہیں فرماتا۔

(مسلم شریف، حدیث: ۳۳۵۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ عرفات کا وقوف کرتے ہیں ان پر فخر کرتے ہوئے اللہ عزوجل فرشتوں سے کہتا ہے: **اُنْظُرُوْا اِلٰى عِبَادِيْ جَآئُوْنِيْ شُعْثًا غُبْرًا.** (ترجمہ) دیکھو میرے بندے پراگندہ بال اور غبار آلود بدن کے ساتھ میری بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں۔ (المستدرک للحاکم، حدیث: ۱۷۰۸)

حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں میدان عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا، ایک نوجوان جو عورتوں کو دیکھ رہا تھا، اس سے

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بھتیجے! یہ ایسا دن ہے کہ جس نے اس میں اپنی آنکھ، اپنے کان اور اپنی زبان کی حفاظت کی اس کی مغفرت ہوجاتی ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی، حدیث:۳۹۱۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عرفہ کے دن کی سب سے افضل دعا اور میری اور مجھ سے پہلے تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سب سے افضل بات یہ ہے:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَ لَہُ الْحَمْدُ یُحْیِی وَ یُمِیْتُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

(سنن البیہقی، حدیث:۹۷۴۳)

(ترجمہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یگانہ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے، وہی مارتا اور جلاتا ہے اور وہی سب کچھ کرسکتا ہے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یوم عرفہ سے زیادہ کسی دن شیطان کی اہانت، اس پر لعنت و پھٹکار اور اس کی ذلت نہیں ہوتی، کیوں کہ شیطان عرفہ کے دن اللہ عزوجل کی رحمت نازل ہوتے ہوئے دیکھتا ہے اور اللہ عزوجل اس دن بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔ (اخبار مکۃ للفاکھی، حدیث: ۲۷۰۷)

حضرت صدقہ بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ عرفہ کے دن قرآن مجید کی تلاوت زیادہ بہتر ہے یا ذکر؟ انہوں نے کہا کہ قرآن مقدس کی تلاوت زیادہ بہتر ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث:۱۵۱۳۸)

درج بالا حدیثوں سے یہ باتیں ثابت ہوتی ہیں:

☆ اللہ عزوجل عرفہ کے دن کثرت کے ساتھ گنہ گاروں کو جہنم سے آزاد فرماتا ہے۔

☆ جو بندے وقوفِ عرفہ کرتے ہیں، ان کی کثیر تعداد پر اللہ عزوجل فرشتوں کے درمیان فخر ومباہات فرماتا ہے۔

☆ یوم عرفہ کو آنکھ، ناک اور زبان کی حفاظت کرنے سے مغفرت کا پروانہ مل جاتا ہے اور اس کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔

☆ یوم عرفہ کو کثرت کے ساتھ ذکر خدا کرنا چاہیے اور جو مخصوص دعائیں احادیث مبارکہ میں وارد ہیں انہیں پڑھتے رہنا چاہیے۔

☆ عرفہ کے دن شیطان سب سے زیادہ ذلیل اور اس پر بہت ہی لعنت و پھٹکار پڑتی ہے۔

☆ عرفہ کے دن اللہ کی مخصوص رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

☆ عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گنہ گاروں کو معاف کرتا ہے۔

☆ عرفہ کے روز قرآن مقدس کی تلاوت بہتر ہے۔

اگر اللہ عزوجل یومِ عرفہ کے وقوف کا موقع عطا فرمائے تو اسے ضائع نہ ہونے دیں، بلکہ اس میں کچھ حاصل کرلیں۔

وقوفِ عرفہ کے وقت کا تصور

وقوفِ عرفہ کے وقت یہ تصور کریں کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک جتنے بھی انبیا دنیا میں تشریف لائے، اسی کیفیت کے ساتھ وقوفِ عرفہ فرمایا، اسی طرح حج کے اس اہم فرض کو ادا کیا، اسی کیفیت کے ساتھ اپنے مولا عزوجل کو یاد فرمایا۔

جبلِ رحمت

جبلِ رحمت میدانِ عرفات میں ایک پہاڑ کا نام ہے، اس کے قریب صخرات کے پاس سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وقوف فرمایا، لہٰذا وہیں پر وقوف کرنا افضل ہے، لیکن اگر وہاں بھیڑ بھاڑ ہو تو پورے میدانِ عرفات میں جہاں میسر ہو قیام کریں۔ میدانِ عرفات میں داخل ہوتے ہوئے جب جبلِ رحمت پر نظر پڑے اس وقت دعا کریں کہ یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔

بَطنِ عُرنہ

بطن عرنہ عرفہ میں ایک وادی کا نام ہے، اسی وادی میں مسجدِ عرفہ ہے، مگر یہ وادی عرفہ کے حدود سے خارج ہے۔ اس میں وقوف کرنے سے وقوفِ عرفہ صحیح نہ ہوگا۔

مزدلفہ کیا ہے؟

اللہ عزوجل نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا:

فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ۔ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۹۸)

(ترجمہ) تو جب عرفات سے پلٹو، تو اللہ کی یاد کرو مشعر حرام کے پاس۔ (کنزالایمان)

مشعر حرام جبلِ قُزَح کو کہتے ہیں، لیکن وادیِ مُحَسَّر کے علاوہ مزدلفہ میں کہیں بھی وقوف کیا جا سکتا ہے۔ مزدلفہ کا وقوف واجب ہے، اس کے ترک کرنے پر دَم واجب ہوتا ہے۔

دعا قبول ہوتی ہے

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عرفہ کی شام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے مغفرت اور رحمت کی خوب دعا فرمائی، اللہ عزوجل نے فرمایا: میں نے دعا قبول کیا، لیکن ان لوگوں کے لیے نہیں جو ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں۔ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرض کیا: مولا! تو اس بات پر قادر ہے کہ مظلوم کو اجر دے اور ظالم کو بخش دے۔ اللہ عزوجل نے اس شام قبول نہ فرمایا، پھر مزدلفہ کے دن حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوب دعا فرمائی تو اللہ عزوجل نے فرمایا: میں نے قبول کیا، اس پر اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ (سنن البیہقی، حدیث: ۹۷۵۳)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ مزدلفہ میں بھی دعا قبول ہوتی ہے، لہٰذا وہاں بھی خوب ذکر و درود اور دعاؤں میں اپنا وقت گزاریں۔

وادیِ مُحَسَّر

منیٰ و مزدلفہ کے بیچ میں ایک نالہ ہے جسے وادیٔ مُحَسَّر کہتے ہیں، دونوں کی حدود سے خارج مزدلفہ سے منی کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر جو پہاڑ پڑتا ہے اس کی چوٹی سے شروع ہو کر پانچ سو پینتالیس ہاتھ تک ہے۔ جب کعبہ کو ڈھانے کے لیے اصحاب فیل آئے تو وہ لوگ یہیں ٹھہرے تھے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ اَبرہہ یمن اور حبشہ کا بادشاہ تھا، اس نے مقامِ ''صَنعا'' میں ایک کنیسہ (عبادت خانہ) بنایا تھا اور چاہتا تھا کہ حج کرنے والے بجائے مکۂ مکرمہ کے یہیں آئیں اور اسی کنیسہ کا طواف کریں۔ عرب کے لوگوں کو یہ بات بہت شاق تھی۔ قبیلۂ بنی کنانہ کے ایک شخص نے موقع پا کر اس کنیسہ میں قضائے حاجت کی اور اس کو نجاست سے آلودہ کر دیا، اس پر ابرہہ کو بہت طیش آیا اور اس نے کعبہ کے ڈھانے کی قسم کھائی اور اس ارادے سے اپنا لشکر لے کر، جس میں

بہت سے ہاتھی تھے اور ان کا پیش رو ایک بڑا عظیم الجُثّہ کوہ پیکر ہاتھی تھا، جس کا نام محمود تھا۔ ابرہہ نے مکۂ مکرمہ کے قریب پہنچ کر اہلِ مکہ کے جانور قید کر لیے، ان میں دو سو اونٹ عبدالمطلب کے بھی تھے۔ عبدالمطلب ابرہہ کے پاس آئے تھے، بہت جسیم و باشکوہ۔ ابرہہ نے ان کی تعظیم کی اور اپنے پاس بٹھایا اور مطلب دریافت کیا، آپ نے فرمایا میرا مطلب یہ ہے کہ میرے اونٹ واپس کیے جائیں۔ ابرہہ نے کہا مجھے بہت تعجب ہوتا ہے کہ میں خانۂ کعبہ کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں اور وہ تمہارا تمہارے باپ دادا کا معظّم و محترم مقام ہے، تم اس کے لیے تو کچھ نہیں کہتے، اپنے اونٹوں کے لیے کہتے ہو۔ آپ نے فرمایا: میں اونٹوں ہی کا مالک ہوں، انہی کے لیے کہتا ہوں اور کعبہ کا جو مالک ہے، وہ خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔ ابرہہ نے آپ کے اونٹ واپس کر دیے۔ عبدالمطلب نے قریش کو حال سنایا اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ پہاڑوں کی گھاٹیوں اور چوٹیوں میں پناہ گزیں ہوں۔ چنانچہ قریش نے

ایسا ہی کیا اور عبدالمطلب ۵ نے دروازۂ کعبہ پر پہنچ کر بارگاہِ الٰہی میں کعبہ کی حفاظت کی دعا کی اور دعا سے فارغ ہوکر آپ اپنی قوم کی طرف چلے گئے۔ ابرہہ نے صبح تڑکے اپنے لشکروں کو تیاری کا حکم دیا اور ہاتھیوں کو تیار کیا، لیکن محمود ہاتھی نہ اٹھا اور کعبہ کی طرف نہ چلا۔ جس طرف چلاتے تھے، چلتا تھا۔ جب کعبہ کی طرف اس کا رخ کرتے تھے، بیٹھ جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے پرندان پر بھیجے، جو چھوٹے چھوٹے سنگریزے گراتے تھے، جن سے وہ ہلاک ہوجاتے تھے۔

(خزائن العرفان، ذیل سورۂ فیل، آیت:۱)

اسی لیے حاجیوں کو حکم ہے کہ جب وادیِ مُحسر سے گزریں تو تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے گزریں اور اللہ کے عذاب سے پناہ مانگیں۔

جمرات کی رَمی

رَمی کا معنی ہے، پھینکنا اور حج کی اصطلاح میں جمرات پر کنکری پھینکنے کو رَمی کہتے ہیں۔ وہ تین جگہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ

السلام نے ابلیس لعین کو کنکریاں ماری تھیں، ان کو ''جمار'' یا ''جَمرات'' کہتے ہیں۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عرض کیا: اَرِنَا مَنَاسِکَنَا. (اے اللہ! ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے بتا) تو اللہ عزوجل نے انہیں کعبۂ معظّمہ کی تعمیر کا حکم دیا، پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے انہیں لے جاکر صفا اور مروہ دکھایا اور فرمایا: یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام انہیں لے کر نکلے، جب اس جگہ پہنچے جہاں اس وقت جمرۂ عقبٰی (بڑا شیطان) ہے، وہاں پر ابلیس کھڑا تھا، حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: تکبیر کہیے اور اسے کنکری ماریے، کنکری مارتے ہی ابلیس وہاں سے اس جگہ چلا گیا جہاں اس وقت جمرۂ وُسطٰی (منجھلا شیطان) ہے، حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: تکبیر کہیے اور اسے کنکری ماریے، کنکری مارتے ہی ابلیس اس جگہ چلا گیا جہاں اس وقت جمرۂ اولیٰ (چھوٹا شیطان) ہے،

حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: تکبیر کہیے اور اسے کنکری ماریے۔ اسی طرح دیگر جگہوں پر لے جاکر حج کے سارے ارکان بتائے۔ اسی لیے حج کے دوران تینوں جمروں پر کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ (درمنثور:۱/۲۶۵)

منٰی کی کنکریاں

منٰی میں ہر ہر جمرے پر لاکھوں کی تعداد میں کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، کبھی کبھی ذہن میں یہ خیال آتا ہوگا کہ آخر اتنی کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، وہ جاتی کہاں ہیں۔ مروی ہے کہ ایک فرشتہ مقرر ہے جو قبول ہونے والی کنکریوں کو وہاں سے اٹھا لیتا ہے اور جس کی کنکریاں قبول نہیں ہوتیں، وہیں پڑی رہ جاتی ہیں۔

جیسا کہ حضرت ابونعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رَمیِ جمار کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: مَا تُقُبِّلَ مِنْهُ رُفِعَ وَلَوْلَا ذٰلِکَ کَانَ أَطْوَلَ مِنْ ثَبِیرٍ. (سنن البیہقی، حدیث:۹۸۱۷)

(ترجمہ) ان میں سے جو کنکریاں قبول ہوجاتی ہیں، انہیں اٹھا لیا جاتا ہے۔ ورنہ وہ کنکریاں ثبیر پہاڑ سے بھی زیادہ لمبی ہوجاتیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک فرشتہ مقرر ہے جو کنکریوں کو اٹھا لیتا ہے۔

قربانی کیا ہے؟

لفظِ قربانی جو اردو میں استعمال کیا جاتا ہے اس کو عربی زبان میں ''قُرْبَانٌ'' کہتے ہیں جیسا کہ قرآنِ مقدس میں موجود ہے ''حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْکُلُهُ النَّارُ'' لفظِ قربان ''قُرب'' سے بنا ہے، جس کا معنی ہے قریب ہونا۔ گویا قربانی اللہ عزوجل سے قریب ہونے کا ایک ذریعہ ہے کہ جو لوگ صدق دل سے خلوص کے ساتھ قربانی کرتے ہیں، وہ لوگ اللہ عزوجل سے قریب ہوجاتے ہیں۔

فلسفۂ قربانی

مالی عبادت کی دو قسمیں ہیں، ایک بہ طریقِ تملیک، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی کو کوئی چیز دے دینا، جیسے صدقات، زکوٰۃ وغیرہ

اور دوسری بہ طریقِ اتلاف، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی چیز کو ہلاک کر دینا، جیسے غلام آزاد کرنا وغیرہ۔ قربانی میں یہ دونوں قسمیں جمع ہو جاتی ہیں، اس طرح کہ جانور کو ذبح کر کے، اس کا خون بہا کر اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے، یہ اتلاف ہے اور اس کے گوشت کو صدقہ کیا جاتا ہے، یہ تملیک ہے۔

قربانی تاریخ کے آئینے میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آٹھویں ذو الحجہ کی رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: اپنے بیٹے کو ذبح کیجیے۔ جب صبح کو اٹھے تو سارا دن اسی شش و پنج میں گزرا کہ نامعلوم یہ حکم واقعی من جانب اللہ ہے یا وسوسہ ہے۔ اسی لیے اس دن کا نام ''یَوْمِ تَروِیَہ'' (سوچ کا دن) ہے۔ پھر نویں ذی الحجہ کی رات خواب میں اسی طرح کا حکم سُنا، صبح کو اُٹھے تو یقین کیا کہ واقعی یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اسی لیے اس دن کا نام ''یومِ عَرَفہ'' (پہچاننے کا دن) ہے۔ پھر یہی

خواب دسویں ذی الحجہ کی شب کو دیکھا، صبح اُٹھ کر عزم کیا کہ صاحبزادے کو ضرور ذبح کروں گا۔ اسی لیے اس دن کا نام ''یَومُ النَّحرُ'' (قربانی کا دن) رکھا گیا اور سارے عالم کے مسلمانوں کو اس دن قربانی کرنے کا حکم دیا گیا۔ (تفسیر حقی: ۲۸/۱۲)

قربانی کے فضائل

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کے دن انسان کے اعمال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ خون بہانا ہے اور بے شک وہ جانور قیامت کے دن اپنی سینگ، بال اور کھر کے ساتھ آئے گا اور بے شک خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہو جاتا ہے تو اسے دل کی بھلائی کے ساتھ کرو۔

(سنن ابن ماجہ، حدیث: ۳۱۲۶)

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے

کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے خوش دلی سے طالبِ ثواب ہو کر قربانی کی وہ جہنم کی آگ سے حجاب (روک) ہو جائے گی۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: ۲۷۳۶)

قربانی بظاہر ایک جانور کو خدائے تعالیٰ کے لیے ذبح کر دینے کا نام ہے، لیکن یاد رکھیں کہ قربانی کا مقصد محض جانوروں کو ذبح کر دینا نہیں، بلکہ درحقیقت قربانی کی روح یہ ہے کہ بندہ ایک خاص فداکارانہ جذبۂ اخلاص سے اپنے دل و دماغ کو منور کر کے اپنے اندر ایثار و فداکاری، ایمانداری و نکوکاری، تقویٰ و پرہیزگاری کا کمال پیدا کرے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں بالکل واضح لفظوں میں قربانی کا مقصد بیان ہوا:

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاۗؤُھَا وَ لٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ. (سورۂ حج، آیت: ۳۶)

(ترجمہ) اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ ان کے

خون، ہاں تمہاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے۔ (کنزالایمان)

یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیثِ پاک میں یہ فرمایا گیا کہ ''خوش دلی کے ساتھ طلبِ ثواب کے لیے'' لہٰذا پتہ چلا کہ قربانی اسی وقت ہمیں سودمند ہوگی، جب ہم اسے خلوص نیت کے ساتھ کریں گے، کیوں کہ ہر عمل کی طرح قربانی کے لیے بھی جذبۂ اخلاص شرط ہے۔

قربانی کے وقت کا تصور

قربانی کے وقت ذہن میں یہ تصور ہونا چاہیے کہ مولا! ہم جس طرح تیرے حکم پر جانور قربان کر رہے ہیں، آج ہی سے ہم عزم کرتے ہیں کہ تیرے حکم پر اپنا وقت، اپنا مال اور وقت آنے پر اپنی جان بھی قربان کر دیں گے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تیرے حکم پر ساری دنیا کی پرواہ کیے بغیر اپنی اولاد کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے، ہم بھی تیرے حکم کے آگے کسی کی پرواہ نہیں کریں گے۔

حَلق و تَقصیر

حَلق کا معنٰی ہے سر مونڈنا اور تقصیر کا معنٰی ہے بال کوتراشنا۔ حج کی اصطلاح میں احرام سے باہر نکلنے کے لیے بال منڈانے کو حلق اور انگلی کے پورے کے برابر کتروانے کو تقصیر کہتے ہیں۔ مرد کو حلق اور تقصیر میں اختیار ہے جو چاہے کرے، لیکن حلق کرنا بہتر ہے اور عورت کو حلق جائز نہیں، وہ صرف انگلی کے پورے کے برابر بال تراش لے۔

حَلق بہتر ہے

احرام کھولنے کے لیے سر منڈانے اور بال کتروانے میں سر منڈانا بہتر ہے، حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سر منڈانے والے کے لیے تین مرتبہ دعا فرمائی اور بال کتروانے کے لیے ایک مرتبہ دعا فرمائی۔

جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ

اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِیْنَ. (اے اللہ! سر منڈانے والوں کی مغفرت فرما) صحابۂ کرام نے عرض کیا: اور بال کتروانے والوں کے لیے؟ آپ نے پھر فرمایا: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِیْنَ. (اے اللہ! سر منڈانے والوں کی مغفرت فرما) پھر صحابۂ کرام نے عرض کیا: اور بال کتروانے والوں کے لیے؟ آپ نے پھر فرمایا: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِیْنَ. (اے اللہ! سر منڈانے والوں کی مغفرت فرما) صحابۂ کرام نے عرض کیا: اور بال کتروانے والوں کے لیے تو آپ نے فرمایا: اور بال کتروانے والوں کی بھی مغفرت فرما۔ (بخاری شریف، حدیث: ۱۷۲۸)

ہر بال کے بدلے نیکی

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جو شخص حج یا عمرہ کرنے کے بعد حدودِ حرم میں اپنے سر کے بال منڈائے، اس کے لیے ہر بال کے بدلے ایک نیکی لکھی جائے گی اور ہر بال کے بدلے اس کا ایک گناہ مٹایا جائے گا۔ (اخبار مكة للفاكهي، حديث: ۲۸٦)

دعا قبول ہونے کی جگہیں

مکۂ مکرمہ میں کچھ مخصوص جگہیں ہیں، جہاں پر اللہ عزوجل اپنے گنہ گار بندوں کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: مکۂ مکرمہ میں پندرہ مقام ایسے ہیں، جہاں پر دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

ملتزم کے پاس، میزاب کے نیچے، رکن یمانی کے پاس، صفا پہاڑی پر، مروہ پہاڑی پر، صفا اور مروہ کے درمیان، رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان، کعبہ کے اندر، منٰی میں، مزدلفہ میں، عرفات میں، تینوں جمروں کے پاس۔ (درمنثور: ۱/۲۳۴)

لہٰذا ان مقامات مقدسہ پر جب بھی پہنچیں تو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعائیں کریں، استغفار کریں۔ ان شاء اللہ دعائیں قبول ہوں گی اور وہ کریم اپنے فضل و کرم سے اس قدر نواز دے گا کہ دنیا و آخرت کی بھلائی میسر آجائے گی۔

مقامات متبرکہ

حج مکمل کرنے کے بعد جتنے دن آپ کا قیام مکۂ مکرمہ میں رہے، ان دنوں میں یہاں، وہاں وقت ضائع کرنے کے بجائے زیادہ سے زیادہ عمرے کریں، مکۂ مکرمہ اور اس کے اطراف کے مقامات متبرکہ کی زیارت کریں۔ ہم چند مشہور مقامات کا تعارف پیش کر رہے ہیں، تاکہ زائرین کو ان مقامات پر حاضر ہونے میں رہنمائی ہو۔

جبل ابو قبیس

یہ پہاڑ صفا کے قریب بیت اللہ شریف کے بالکل سامنے ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی پہاڑ سے چاند کو دو ٹکڑے فرمایا تھا۔ اس پہاڑ پر مسجد بلال نام کی ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔

جبل نور

یہ پہاڑ مکہ شریف سے منٰی جاتے ہوئے، راستہ میں بائیں طرف پڑتا ہے۔ یہی وہ مبارک پہاڑ ہے، جس کی چوٹی پر حضرت جبریل

علیہ السلام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینہ چاک فرمایا تھا۔ اسی مقدس پہاڑ پر غارِ حرا ہے، جس میں ظہورِ نبوت سے پہلے حضور علیہ الصلوۃ والسلام طویل مدت تک عبادت فرماتے رہے، جہاں پر سب سے پہلے وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ نازل ہوئی۔

جبل ثور

یہ پہاڑ تقریباً ڈھائی کلومیٹر بلند ہے، جو مکہ شریف سے دکھن جانب تقریباً پانچ کلومیٹر کی دوری پر ہے۔ اسی پہاڑ کی چوٹی کے قریب غار ثور ہے، جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کے موقع پر تین رات قیام فرمایا تھا، جہاں کفارِ مکہ قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے گرفتار کرنے کے لیے غار کے منہ تک پہنچ گئے تھے، لیکن غار کے منہ پر مکڑی کا جالا اور کبوتروں کا گھونسلا دیکھ کر واپس لوٹے۔ اس موقع پر غار کے اندر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پریشانی دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے ان الفاظ میں ان کو اطمینان دلایا تھا۔ **لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا** (غمگین مت ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے)

بعض لوگ طرح طرح کے حیلے اور بہانے بنا کر غارِ حرا اور غارِ ثور کی زیارت سے روکتے ہیں، آپ ان کی ہرگز نہ سنیں اور ان مقاماتِ مقدسہ کی ضرور زیارت کریں۔

جنت المَعلٰی

یہ مکہ شریف کا تاریخی قبرستان ہے۔ جس میں بہت سے صحابہ، صحابیات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور جلیل القدر علمائے عظام علیہم الرحمۃ والرضوان آرام فرما ہیں، اس کی زیارت بھی مستحب ہے۔ اُتر کی طرف ایک چھوٹے سے کمپاؤنڈ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پہلی زوجۂ محترمہ اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجداد کی قبریں ہیں۔ اسی میں حضرت عبدالمطلب اور ابوطالب کی بھی قبریں ہیں، مگر حضرت عبدالمطلب کی

زیارت کریں اور ابوطالب کی قبر پر نہ جائیں۔ اسی احاطہ میں حضرت ملا علی قاری، ان کے استاذ حضرت مولانا سندھی اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بھی مدفون ہیں۔ دکھن کی طرف مشہور صحابۂ کرام، خصوصاً حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور حضرت اسما بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم آرام فرما ہیں۔

مَولِدُ النبی ﷺ

مولد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔ یہ مقام صفا کے پورب سڑک کے کنارے واقع ہے، جو پہلے سعودی دور میں توڑ دیا گیا تھا، اب وہاں ایک لائبریری بنادی گئی ہے۔

دارِ ارقم

یہ جگہ صفا کے پاس تھی، یہاں ترکوں نے ایک مسجد بنادی تھی، سعودی دور میں ڈھادی گئی۔ یہیں پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسلام کے

ابتدائی دور میں مسمانوں کو توحید کا درس دیا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی جگہ مشرف باسلام ہوئے تھے۔

دار خدیجۃ الکبریٰ

اسی مقام پر حضرت فاطمہ زہرا، حضرت زینب، حضرتِ رُقیہ، حضرت اُم کلثوم، حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پیدا ہوئے۔ یہ جگہ شارع فیصل پر ایک گلی میں واقع ہے، یہ بھی سعودی دور میں ڈھادیا گیا تھا، مگر اب وہاں ایک مدرسہ دارالحفاظ قائم کردیا گیا ہے۔

دارِ سیدنا حمزہ

یہاں پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ یہ جگہ مَسفلہ میں واقع ہے، یہاں پر ایک مسجد (مسجد تنعیم) ہے، اسے مسجد عائشہ اور مسجد عمرہ بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم

کے مطابق اسی جگہ سے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور اسی تنعیم کے مقام پر حضرت خُبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پھانسی دی گئی تھی۔

مسجد سَرِف

سَرِف ایک مقام کا نام ہے، جو تنعیم سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مبارک ہے۔

مسجد ذی طویٰ

یہ مسجد تنعیم کے راستہ میں ہے، رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے احرام کی حالت میں اسی جگہ قیام فرمایا تھا۔

مسجد جِن

یہ مسجد جنّت المعلٰی کے قریب واقع ہے، اسی جگہ جنّات نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرآن مجید سُنا تھا۔ اسی مسجد کے قریب سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیر و مرشد

حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ والرضوان کا مزار مبارک بھی کہیں واقع ہے، جو اس طرح توڑ دیا گیا ہے کہ اب اس کا کوئی نام و نشان نہیں۔

مسجد رایہ

یہ مسجد جنت المعلٰی کے راستہ میں مسجد جن کے قریب واقع ہے، اس جگہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز اپنا جھنڈا نصب فرمایا تھا۔

مسجد شجرہ

وہ مبارک مقام ہے کہ جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر ایک درخت زمین کو چیرتا ہوا حاضر خدمت ہوا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی گواہی دی۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ اسی مقدس مقام پر مسجد شجرہ مسجد جن کے سامنے تھی، جو سعودی دور میں اس طرح توڑ دی گئی کہ اب

اس کا کوئی نشان نہیں پایا جاتا۔

مسجد خیف

یہ منٰی کی سب سے بڑی مسجد ہے، جس میں بہت سے انبیائے کرام نے نماز ادا کی ہے۔ اس مسجد میں جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وقوف فرمایا تھا، وہ جگہ ایک قُبہ کی شکل میں محفوظ کر دی گئی ہے۔ اس جگہ پر نماز پڑھ کر دعا کرنی چاہیے۔

مسجد کَبش

یہ مبارک جگہ منٰی میں واقع ہے، جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے لے گئے تھے۔

غَار مُرسلات

یہ تاریخی مقام بھی منٰی میں واقع ہے، اس جگہ سورۂ مرسلات نازل ہوئی تھی۔ اس مقام کی بھی بڑی فضیلت ہے۔

نوٹ: اس کتاب میں صرف مناسک حج کی تاریخی حیثیتیں، پس منظر، فضائل، اسرار و رموز، تعارف مقامات مقدسہ وغیرہا باتیں بیان کی گئی ہیں۔ حج کا طریقہ، دعائیں اور مسائل وغیرہ تفصیل کے ساتھ ہماری کتاب ''حج کیسے کریں؟'' میں ملاحظہ کریں۔

آخری بات

حج کے تاریخی پس منظر، اسرار و رموز اور تعارف مقامات مقدسہ سے متعلق ایک حقیر کاوش عازمین حرمین طیبین کی نذر ہے۔ امید ہے کہ عازمین اس سے بھرپور استفادہ کریں گے اور اس ناچیز اور معاونین کو اپنی دعاؤں میں شامل رکھیں گے۔

☆☆☆